سَعیُ الإفهام

تلخیص

أجلی الإعلام

رسالہ: ﴿أجلی الإعلام أنّ الفتویٰ مُطلقاً علیٰ قولِ الإمَام﴾ کا خلاصہ

أبو اللیث محمد طاہر بن عبد الرحیم قادری

جامعة النور

tahir.razavi@gmail.com

سَعیُ الإفہام

تلخیص

أجلی الإعلام

رسالہ: ﴿أجلی الإعلام أنّ الفَتویٰ مُطلقاً علیٰ قَولِ الإمَام﴾ کا خلاصہ

أبواللیث محمد طاہر بن عبد الرحیم قادری

جامعة النور

tahir.razavi@gmail.com

أجلی الإعلام أن الفتویٰ مطلقاً علی قول الإمام (اجمالی خاکہ)

تصحیحِ سراجیہ (فتویٰ مطلق قولِ امام پر)	تصحیحِ حاوی قدسی (جب صاحبین اختلاف کریں تو قوتِ دلیل کا اعتبار ہے)

↓

ان تصحیحات کے بارے میں صاحبِ بحر کی توجیہ وتشریح

اس تشریحِ بحر پر علامہ خیر الدین رملی کے سوالات واعتراضات	اس تشریحِ بحر پر علامہ شامی کے سوالات واعتراضات

↓

7 مقدمات کی روشنی میں مذکورہ بالا اعتراضات اور سوالات پر اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنت کے جوابات

8 وجوہ سے خیر الدین رملی کی عبارات پر کلام	63 وجوہ سے علامہ شامی کی عبارات پر کلام

↓

تنقیحِ اعتراضات کے بعد صحیح موقف کا بیان (وجہ حصر سے 8 ممکنہ صورتوں کے حکم کا بیان)

↓

اپنے موقف اور مدعیٰ کے ثبوت پر معتمد کتب کی 45 نصوص سے دلیل لانا

وجہ حصر کی آٹھویں صورت (جب امام سے اختلاف کرنے والے کے قول کی تصحیح بھی آئی ہو) پر علامہ شامی کا نیا موقف جو پہلے کسی نے اختیار نہیں کیا، اس کا بیان

اس نئے موقف کی توجیہ اور ترجیح مرجحین کی اتباع کے بارے میں درست وضاحت	علامہ شامی کی اس مسئلہ سے متعلق عبارت کا متعدّد وُجوہ سے جواب اور کثیر ضمنی ابحاث

↓

علامہ شامی کی عبارت اور منہج کی ایسی توجیہ جس سے ان کا دفاع بھی ہو جاتا ہے

اور کلام بحر سے صرف لفظی اختلاف رہ جاتا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان فقط طریق حکم کا فرق رہ جاتا ہے۔

↓

وہ توجیہ یہ ہے کہ: اختلافی صورت میں قولِ امام سے عدول کی بنیاد علامہ شامی کے نزدیک اتباعِ مرجحین ہے؛ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ایسا اسبابِ ستہ میں سے کسی ایک یا زائد کے پائے جانے کے موقع پر ہوگا اور یہی امام کا قول ضروری بھی قرار پائے گا اگرچہ وہ بظاہر ان کے قولِ صوری کے خلاف ہو۔

↓

آخر میں دو تنبیہات:

کوئی مسئلہ اسباب ستہ کا محل ہے یا نہیں اسے جاننے کے دو طریقوں (لمی وانی) کا بیان	امام کے قول اجمالی کی تفصیل یا کسی اطلاق کی تقیید یا کسی اشکال کی توضیح در حقیقت قولِ امام سے عدول کرنا نہیں۔

رسالہ لکھنے کا مقصد اور پس منظر:

علامہ محقق صاحب بحر الرائق نے البحر الرائق کتاب القضاء کے شروع میں پہلے یہ دو تصحیحات ذکر کیں:

ا۔تصحیح سراجیہ: مفتی کو مطلقاً قول امام پر فتوی دینا ہے۔

۲۔تصحیح حاوی قدسی: اگر امام اعظم ایک جانب ہوں اور صاحبین دوسری جانب تو قوت دلیل کا اعتبار ہو گا۔

یہ دونوں اقوال بظاہر معارض نظر آتے ہیں۔

یہ رسالہ لکھا گیا ہے تا کہ ان دونوں اقوال کی صحیح توجیہ بیان ہو جائے اور اس بات کا اثبات ہو جائے جو رسالہ کا نام بھی ہے کہ فتویٰ مطلقاً قولِ امام اعظم رضی اللہ عنہ پر ہی ہوتا ہے۔

جب ہم اَصحابِ نظر واجتہاد مشائخ کی کتابیں پڑھتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشائخ کو یہ جواز کیسے ملا کہ وہ امام اعظم کے مقلد ہوتے ہوئے ان کا قول چھوڑ کر دوسرے کے قول پر فتویٰ دیں؟

صاحبِ بحر الرائق کے مطابق: ایسا بہت ہوتا کہ مشائخ قول امام کے بر خلاف فتویٰ دیتے کیونکہ انہیں دلیل امام معلوم نہ ہوتی اور دوسرے کی دلیل ان کے سامنے ظاہر ہوتی تو اسی پر فتویٰ دیتے۔
دلیل میں نظر کرنے والی یہ شرط حضرات مشائخ کے زمانے میں تھی لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال حفظ ہوں جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے

تواب اگرچہ ہمیں قول امام کی دلیل معلوم نہ ہو، قول امام پر فتوی دینا جائز بلکہ واجب ہے۔

اس تفصیل کے پیش نظر تصحیح حاوی کی بنیاد وہی شرط ہے جو حضرات مشائخ کے لئے اس زمانے میں تھی کیوں کہ وہ دلیل میں نظر کرنے کی اہلیت رکھتے تھے، اور اب علماء نے اسی کو صحیح قرار دیا کہ قول امام پر ہی فتویٰ ہو گا اور ہم پر یہی لازم ہے کہ قول امام پر فتویٰ دیں اگرچہ مشائخ اس کے بر خلاف فتویٰ دے چکے ہوں۔

نوٹ: یہاں اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ اقوال کی معرفت اور ان کے مراتب میں امتیاز کی لیاقت کے ساتھ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہو۔

علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کلامِ بحر پر اعتراض :

(قوسین میں مذکور الفاظ کے علاوہ اسے بعینہٖ بلاتسہیل نقل کیا جارہا ہے، اگر کوئی اشکال ہو تو–ان کے جوابات کے وقت حل ہوجائے گا۔)

محشی خیر الدین رملی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ:

- ایک طرف ان (صاحب بحر) کا کہنا یہ ہے کہ **"ہمیں قول امام پر فتویٰ دیناواجب ہے اگرچہ اس قول کی دلیل اور ماخذ ہمارے علم میں نہ ہو"** دوسری طرف امام کا ارشاد یہ ہے کہ **"کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا حلال نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہوجائے کہ ہم نے کہاں سے کہا۔"** ان دونوں باتوں میں تضاد ہے۔
- اس لئے کہ قول امام سے صراحۃً واضح ہے کہ اہلیت اجتہاد کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں۔
- پھر اس سے اس شرط (یعنی اہلیت اجتہاد) کے بغیر (قولِ امام پر) وجوب افتاء پر استدلال کیسے ہوسکتا ہے ؟ تو ہم (یعنی علامہ رملی) یہ کہتے ہیں کہ غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ در حقیقت افتاء نہیں، وہ تو امام مجتہد سے صرف اس بات کی نقل و حکایت ہے کہ وہ اس حکم کے قائل ہیں۔
- جب حقیقت یہ ہے تو غیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے پھر ہم پر یہ واجب کیسے رہا کہ قول امام ہی پر فتویٰ (حقیقی) دیں اگرچہ مشائخ نے اس کے بر خلاف فتویٰ دیا ہو، حالانکہ ہم تو صرف فتوائے مشائخ کے ناقل ہیں اور کچھ نہیں یہاں تامل کی ضرورت ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کلامِ بحر پر اعتراض :

علامہ شامی کے کلام کے اہم نکات:(اسے بعینہ بلاتسہیل نقل کیا جارہا ہے،اگر کوئی اشکال ہو تو،ان کے جوابات کے وقت حل ہو جائے گا۔)

- اس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کو دلیل امام سے آگاہی حاصل ہوئی،انھیں علم ہوا کہ امام نے کہاں سے فرمایا،ساتھ ہی اصحاب امام کی دلیل سے بھی وہ آگاہ ہوئے،اس لیے وہ دلیل اصحاب کو دلیل امام پر ترجیح دیتے ہوئے فتوی دیتے ہیں۔اور ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے قول امام سے انحراف اس لیے اختیار فرمایا کہ انھیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا۔اس لیے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرات مشائخ نے دلائل قائم کرکے اپنی کتابیں بھر دی ہیں اس کے بعد بھی یہ لکھتے ہیں کہ فتوی مثلاً امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔اور ہمارا حال یہ ہے کہ نہ دلیل میں نظر کی اہلیت،نہ تاسیس اصول وتخریج فروع کی شرائط کے حصول میں رتبہ مشائخ تک رسائی۔
- تو ہمارے ذمہ یہی ہے کہ حضرات مشائخ کے اقوال نقل کردیں اس لیے کہ یہی حضرات مذہب کے ایسے متبع ہیں جنھوں نے اپنے اجتہاد کی قوت سے مذہب کی تقریر وتحریر(اثبات وتوضیح)کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔
- ملاحظہ ہو علامہ قاسم کی عبارت جو ہم پہلے پیش کر آئے،وہ فرماتے ہیں:مجتہدین پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے مقام اختلاف میں نظر فرما کر ترجیح وتصحیح کا کام سرانجام دیا تو ہمارے اوپر اسی کی پیروی اور اسی پر عمل لازم ہے جو راجح قرار پایا جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں فتوی دینے کی صورت میں ہوتا۔
- علامہ ابن شلبی کے فتاوی میں مرقوم ہے کہ:قاضی یا مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتوی امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔تو قاضی کو امام کے سوا دوسرے کے قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں جس میں دوسرے کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور خود امام ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر ترجیح ہو،اگر ایسے مسئلہ میں قاضی نے خلاف امام فیصلہ کردیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہو گا بے ثباتی کی وجہ سے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔انتہی کلام ابن الشلبی اھ
- اسی طرح کی بات علامہ شامی نے ردالمحتار کتاب القضاء میں ذکر کی ہے اور منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق میں مزید برآں یہ بھی لکھا ہے کہ:آپ دیکھتے ہیں کہ متونِ مذہب کے مصنفین بعض اوقات مذہب امام کے سوا کوئی اور قول اختیار کرتے ہیں اور جب مشائخ مذہب نے اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جو ان کے حق میں شرط ہے،قول امام کے خلاف فتوی دے دیا تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ انہیں زیادہ علم ہے۔

- یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ ہمارے اوپر قول امام پر ہی فتوی دینا واجب ہے اس لئے کہ ہمارے حق میں (قول امام پر افتا کی) شرط مفقود ہے، حالاں کہ یہ بھی اقرار ہے کہ وہ شرط مشائخ کے حق میں بھی مفقود ہے تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات نے کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟
- حاصل یہ کہ طبع سلیم کے لئے انصاف کی قابل قبول بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتوی دیا ہے اسے نقل کر دے۔ اسی بات پر علامہ ابن شلبی اپنے فتاوی میں گام زن ہیں، وہ فرماتے ہیں، اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے اسی لئے مشائخ اکثر ان ہی کی دلیل کو ان کے مخالف کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگرچہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتوی قول امام پر ہے، اس لئے کہ ترجیح خود صراحۃً تصحیح کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔ جب معاملہ یہ ہے تو قاضی یا مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو (آخر عبارت تک جو فتاوی ابن شلبی کے حوالے سے پہلے گزری)
- آگے علامہ شامی لکھتے ہیں، یہ ہی وہ ہے جس پر شرح تنویر کے شروع میں شیخ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ بھی گام زن ہیں، وہ رقم طراز ہیں، لیکن ہم پر تو اسی کی پیروی لازم ہے جسے حضرات مشائخ نے راجح و صحیح قرار دیا جیسے وہ اپنی حیات میں اگر فتوی دیتے تو ہم اسی کی پیروی کرتے۔
- اگر یہ سوال ہو کہ حضرات مشائخ کہیں متعدّد اقوال بلا ترجیح نقل کر دیتے ہیں اور کبھی تصحیح کے معاملے میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، ان مسائل میں ہم کیا کریں؟ تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ جیسے ان حضرات نے عمل کیا ویسے ہی ہمارا عمل ہوگا یعنی لوگوں کے حالات اور عرف کی تبدیلی کا اعتبار ہوگا، یوں ہی اس کا اعتبار ہوگا جس میں زیادہ آسانی اور فائدہ ہو یا جس پر لوگوں کا عمل درآمد نمایاں ہو یا جس کی دلیل قوی ہو، اور بزم وجود کبھی ایسے افراد سے خالی نہ ہوگی جو محض گمان سے نہیں بلکہ واقعی طور پر اقوال کے درمیان اتنی تمیز رکھنے والے ہوں گے اور جس میں تمیز کی لیاقت نہ ہو اس پر عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ صاحب تمیز کی جانب رجوع کرے، واللہ تعالی اعلم۔

وہ سات مقدمات جن کا سمجھنا ضروری ہے۔

تاکہ علامہ شامی اور صاحبِ بحر الرائق کے کلام کو صحیح سمجھا جاسکے اور درست سوچ کا تعین ہو سکے۔

مقدمہ اوّل : "لیس حکایۃُ قولٍ إفتاء بہ"

❖ کسی قول کی حکایت ونقل اور کسی قول پر افتاء دو مختلف باتیں ہیں۔

❖ افتاء یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کرکے سائل کو بتایا جائے کہ تمھاری صورتِ مسئولہ میں حکمِ شریعت یہ ہے۔

❖ اور یہ کام اسی وقت حلال ہوگا جبکہ اس کو کسی دلیلِ شرعی سے اس کے بتائے گئے حکم کا علم ہو۔

مقدمہ دوم : دلیل کی دو اقسام

(ا) تفصیلی: اس سے آگاہی اہلِ نظر واجتہاد ہی کو ہوتی ہے۔ ان کے غیر کو اگر دلیل مجتہد کا علم ہوتا ہے تو وہ تقلیداً ہوتا ہے۔ "کما في رسالۃ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی"

تفصیلی دلیل کی معرفت کیا ہے؟: عقود رسم المفتی میں علامہ شامی کے مطابق دلیل کی معرفت اس امر کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے کہ دلیل ہر معارض سے محفوظ ہے اور یہ معرفت (کہ دلیل ہر معارض سے محفوظ ہے) تمام دلائل کے استقراء اور چھان بین پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی قدرت صرف مجتہد ہی کو ہوتی ہے۔

محض اتنی واقفیت کہ فلاں مجتہد نے فلاں حکم، فلاں دلیل سے اخذ کیا ہے تو اتنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

(۲) اجمالی: جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اور أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ اور نبی پاک ﷺ کا فرمان "الا سألوا إذ لم یعلموا فإنما شفاء العی السوال" (جب انہیں معلوم نہ تھا تو کیوں نا پوچھا، عاجز کا علاج یہی ہے کہ سوال کرے)

مقدمہ دوم کے تحت بحثِ تقلید

- **تقلید حقیقی**: اصلاً بلا دلیل کسی کے قول پر عمل کرنا ہے جبکہ ائمہ کے اقوال کی پیروی دلیل اجمالی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔
- **تقلید ائمہ**: فقہ کے ائمہ کی تقلید کو تقلید عرفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ تقلید حقیقی جو کہ مذموم ہے اس کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔
- ائمہ اربعہ کی تقلید عرفی دلیلِ اجمالی کے تحت کی جاتی ہے۔ کیونکہ دلیلِ تفصیلی کی ہمیں معرفت نہیں بلکہ " **فَاسْأَلُوا** "اور"**أَطِيعُوا**" جیسے اجمالی حکم کے تحت ہم ان کے اقوال پر عمل کرتے ہیں۔
- ہر وہ شخص جو رتبہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر تقلید عرفی فرضِ شرعی ہے۔ جہاں بھی تقلید کی مذمت آئی اس سے تقلید حقیقی مراد ہے لیکن ان دلائل کو تقلید عرفی پر محمول کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
- اجمالی طور پر تقلید حقیقی کی مثالیں:
  - عامی کا اپنے ہی جیسے عامی سے اخذ کرنا کیونکہ عامی کا قول سرے سے دلیل ہے ہی نہیں۔
  - مذہب جمہور پر مجتہد کا اپنے ہی جیسے مجتہد سے اخذ کرنا: کیونکہ جب وہ اصل سے اخذ کرنے پر قادر ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے۔

اس کے برعکس، نبی علیہ السلام کی پیروی، اجماع پر عمل، قاضِی کا عادل گواہوں کی طرف رجوع عامی کا مفتی مجتہد کی طرف رجوع (جیسا کہ گزرا) کسی طرح بھی تقلید حقیقی نہیں کیونکہ ان پر یہ رجوع اور عمل نص نے واجب کیا ہے اگرچہ اس کی دلیل اجمالی ہے تفصیلی نہیں۔

مقدمہ سوم: دلیل تفصیلی سے ناآشنائی

دلیل تفصیلی سے ناآشنائی دو طرح سے عمل کرتی ہے:

(۱) مجتہد کے لئے تقلید کو حرام کرتی ہے۔

(۲) عامی کے لئے مجتہد کی تقلید عرفی کو واجب کرتی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجتہد اگر کسی دوسرے مجتہد کا قول اس کی دلیل تفصیلی سے آگاہی کے بغیر لیتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ تقلید حقیقی اور حرام ہے۔
جبکہ عامی کا حکم اس کے برخلاف ہے کہ دلیلِ تفصیلی سے ناآشنائی اس پر واجب کرتی ہے کہ وہ قولِ مجتہد کی پیروی (تقلید عرفی) کرے۔ بصورتِ دیگر لازم آئے گا کہ عامی دلیلِ تفصیلی جاننے کا مکلف ہو جو کہ اس کے بس میں نہیں یا اسے بیکار چھوڑ دیا جائے جو درست نہیں۔

مقدمہ چہارم: فتویٰ کی دو اقسام

فتویٰ کی دو اقسام ہیں:

حقیقی: جو کہ دلیل تفصیلی کی آشنائی کے ساتھ دیا جائے جیسے اصحاب فتویٰ–فقیہ ابو جعفر اور ابو اللیث رحمہا اللہ وغیرہما کے فتاویٰ۔

عرفی: جو اقوالِ امام کا علم رکھنے والا بطور تقلید، دلیلِ تفصیلی سے آشنائی کے بغیر کسی نا جاننے والے کو بتائے جیسے فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ خیریہ، فتاویٰ رضویہ۔

مقدمہ پنجم: قول کی دو اقسام

صُوری: وہ جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا مثلاً اقوالِ ائمہ جو ان سے منقول ہیں اور کتابوں میں درج ہیں۔ جیسے ظاہر الروایۃ۔

ضروری: وہ قول جو کہنے والے نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو بلکہ اس کا یہ قول کسی عموم کے ضمن میں جان لیا گیا ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم نکلتا ہو کہ اگر وہ شخص اس عموم کے تحت آنے والے کسی خاص فرد کے بارے میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

مثلاً: خالد یہ نظریہ رکھتا ہے اور اپنے خادموں کے سامنے اس کا برملا اظہار بھی کر چکا ہے کہ "کسی فاسق کی تکریم نہ کرنا" اس عموم سے یہ جان لیا گیا کہ جو معین شخص بھی فاسق ہو گا، خالد کے خادم اس کی تکریم نہیں کریں گے اس عمومی حکم اور قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے جو خالد نے بیان کیا ہے اگرچہ خاص اس معین شخص کا نام نہیں لیا، لیکن خالد سے اگر اس شخص کے بارے میں سوال ہوتا تو وہ یہی کہتا اسے قولِ ضروری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اُصول:

کبھی قولِ ضروری، قولِ صُوری کے خلاف ہوتا ہے، اس صورت میں قولِ ضروری پر عمل ہو گا اور اس صورت میں قولِ صُوری کی اتباع، در حقیقت قائل کی مخالفت شمار ہو گی۔

مثلاً: اوپر بیان کی گئی مثال میں خالد نے ایک نیک اور صالح شخص "زید" کے بارے میں صراحۃً (بطورِ قولِ صُوری) اپنے خادموں کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کی تعظیم کرنا۔ بعد میں زید فاسق معلن ہو گیا۔ اب اگر خالد کے خدام اس کے قولِ صُوری پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں گے تو یہ خالد کی مخالفت شمار ہو گی کیونکہ خالد اگر زید کو اس حالت میں دیکھتا تو وہ بھی اپنے عمومی اُصول کے مطابق اس کی تعظیم ترک کروا دیتا۔

مقدمہ پنجم کے تحت، اَسبابِ ستة / سبعة کی مزید تفصیل

ائمہ فقہ کے اقوالِ صُوری کے خلاف کبھی کوئی حکم ضروری پایا جاتا ہے اور اس کے اسباب چھ ہیں۔

(۱)ضرورت (۲)حرج (حاجت/عمومِ بلویٰ)

(۳)عرف (۴)تعامل

(۵)کوئی اہم دینی مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔

(۶)کوئی بڑا مفسدہ (فسادِ موجود یا مظنون بظن غالب) جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

نوٹ: اسبابِ ستّہ/سبعہ کی مزید تفصیل کے لئے رسالہ "اسبابِ سبعہ" یا کتاب "فقہ حنفی کے سات بنیادی اُصول" کا مطالعہ کریں۔

رسالہ: اسباب سبعہ راقم سے pdf file کی صورت میں طلب کیا جاسکتا ہے۔

فائل کا link: https://drive.google.com/folderview?id=1DeS41M9kqU-H3mGrpEPCN_JYmBEaVQJJ

اس کی متعدّد مثالیں "شرح عقود رسم المفتی" اور "الاشباہ والنظائر" میں بھی موجود ہیں۔

ایک اہم نکتہ: یہ ہے کہ زمانے کے تغیّر کے سبب جو احکام ان اسباب ستہ کی رُو سے تبدیل ہو جائیں، انہیں مذہبِ حنفی سے باہر نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ اگر صاحبِ مذہب اس دور میں ہوتے تو ان ہی کے قائل ہوتے اور ان احکام کے خلاف صراحت نہ فرماتے۔ اسی کو قولِ ضروری کہتے ہیں۔

لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ امام کے قولِ صوری سے امام کے ہی قولِ ضروری کی طرف گئے ہیں۔

مقدمہ ششم: قولِ امام کی دلیل میں نظر

جو اصحاب اہلِ نظر و اجتہاد ہیں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ ''فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الأَبْصَارِ'' اے بصیرت والو! نظر و اعتبار سے کام لو۔

لہٰذا قولِ امام کی جو دلیلیں انہوں نے نکالی ہیں اگر وہ اُن کی نظر میں کمزور ہیں تو یہاں انہیں قولِ امام چھوڑنا جائز ہوگا۔ ان کے پاس اس کے سوا گنجائش نہیں۔

اس عدول کے باعث وہ اتباعِ امام سے باہر نہیں ہوں گے بلکہ امام کے اس قول کے متبع ہوں گے کہ "جب حدیث صحیح ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے" (إذا صح الحديث فهو مذهبي)

- یہاں حدیث کے صحیح ہونے سے مراد صحتِ فقہی ہے۔ (جس کی معرفت غیر مجتہد کے لئے محال ہے) اصطلاح محدثین والی صحت مراد نہیں۔
  مزید تفصیل کے لئے رسالہ "الفضل الموهبی" ملاحظہ فرمائیں جسے پڑھنے کے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔
- بعض مقلدین مشائخ کا قول امام کی دلیل کو ضعیف سمجھنا اور فی الواقع قولِ امام کی دلیل کا کمزور ہونا دو مختلف باتیں ہیں،
  کیونکہ امام سے صرف مسائل اور احکام منقول ہیں – دلائل منقول نہیں۔ لہٰذا ان مشائخ کا قولِ امام کے غیر پر افتاء مذہبِ امام یا مذہبِ حنفی نہیں بنے گا بلکہ ان کی ایک بحث کہلائے گی۔ برخلاف اس صورت کے جب اسبابِ ستہ کے سبب قولِ امام سے عدول کیا جائے، اس وقت جو حکم دیا جائے گا وہ مذہب کی طرف منسوب ہوگا۔
- ہمارے زمانے کے مفتی ناقل جو کہ اہلِ نظر و اجتہاد نہیں ان پر صرف یہ لازم ہے کہ قولِ امام دریافت کریں اور اس پر عمل کریں اور کسی دلیلِ تفصیلی کی جستجو اور چھان بین میں نہ جائیں۔

مقدمہ ہفتم

جب مشائخ کی طرف سے تصحیح اقوال میں اختلاف ہو تو امامِ اعظم کا قول مقدم ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ جب دونوں تصحیحات میں تعارض ہوگیا تو دونوں ساقط ہوگئیں اور اصل کی جانب رجوع کرنا متعیّن ہوگیا اور اصل یہ ہے کہ قولِ امام مقدم ہوگا کیونکہ صاحبِ مذہب وہی ہیں۔

☆قولِ امام پر اِفتاء کے حوالے سے صاحبِ بحر کے موقف پر علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ کے سوالات اور اعتراضات، اور امام اہلِ سنّت کے جوابات

	اعتراضات اور سوالات	اعلیٰ حضرت کے جوابات
ا	اس کلام اور کلام امام میں تضاد ہے۔ یعنی ایک طرف ان (صاحب بحر) کا کہنا یہ ہے کہ "ہمیں قول امام پر فتویٰ دینا واجب ہے اگرچہ اس قول کی دلیل اور ماخذ ہمارے علم میں نہ ہو" دوسری طرف امام کا ارشاد یہ ہے کہ "کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا حلال نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہوجائے کہ ہم نے کہاں سے کہا۔" ان دونوں باتوں میں تضاد ہے۔	اقول: مقدمہ چہارم سے معلوم ہوا کہ قول امام فتویٰ حقیقی کے متعلق ہے، تو وہ قول صرف اہل نظر کے حق میں ہے، اس کے سوا ان کے کلام کا اور کوئی معنی ومحمل نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ امام نے فتویٰ عرفی کو حرام کہا، حالاں کہ وہ بالاجماع جائز وحلال ہے، منحۃ الخالق کتاب القضاء میں فتاوی ظہیریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا روا نہیں جب تک یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا، اور اگر اہل اجتہاد نہ ہو اس کے لئے فتوی دینا جائز نہیں مگر نقل وحکایت کے طور پر فتوی دے سکتا ہے۔ اور بحر کا کلام فتویٰ عرفی سے متعلق ہے، اس کے سوا اس کا کوئی اور معنی ومحمل نہیں، دلیل میں ان کے یہ الفاظ دیکھیں (ا) لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال حفظ ہوں (ب) اگر چہ ہمیں دلیل معلوم نہ ہو (ج) قول امام پر فتوی دینا ہم پر واجب ہے (د) امانحن فلنا الافتاء، مگر ہم فتویٰ دے سکتے ہیں الخ، اب بتائے جب دونوں کلام کا مورد ومحل ایک نہیں ہے تو تضاد کہاں سے ہوا؟ خیر رملی، قول امام سے صراحۃً واضح ہے کہ اہلیت اجتہاد کے بغیر فتوی دینا ناجائز ہے، پھر اس سے وجوب افتاء پر استدلال کیسے؟ اقول: ہاں اس سے فتویٰ حقیقی کا عدم جواز صراحۃً واضح ہے (اور بحر میں فتویٰ عرفی کا وجوب مذکور ہے) اب رہا یہ کہ ایک ہی چیز سے دوسری چیز کی حرمت وحلت دونوں کیسے پیدا ہوسکتی ہیں؟ اس کی تحقیق ہم مقدمہ سوم میں کر آئے ہیں۔

۲	ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ در حقیقت افتا نہیں۔	اقول: آپ کی اسی عبارت میں اعتراض کا جواب بھی تھا، اگر آپ نے التفات فرمایا ہوتا۔ (کہ صاحبِ بحر فتویٰ عرفی سے متعلق کلام کر رہے ہیں۔)
۳	غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ تو امام مجتہد سے صرف نقل و حکایت ہے۔ اور غیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے۔	اقول: ایسا نہیں ملاحظہ ہو مقدمہ اول اقول: نقل و حکایت سے کوئی رکاوٹ نہیں اگرچہ مذہب سے باہر کسی کا قول ہو، یہاں گفتگو تقلید سے متعلق ہے، اور مجتہد مطلق اپنے سے فروتر حضرات سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تقلید کی جائے، پھر آپ ائمہ ثلاثہ (مالک و شافعی و احمد رضی اللہ عنہم) بلکہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال پر فتویٰ دینے کو جائز کیوں نہیں کہتے؟ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو مذہب امام کی پابندی کس بات میں؟ اور یہ سارے اختلافات کیسے؟ بلکہ صرف اس نزاع ہی سے سارا نزاع ختم اور وہ پوری بحث ہی سرے سے ساقط ہو گئی، جیسا کہ اس کی وضاحت ان شاء اللہ تعالی آگے آئے گی۔
۴	تو قول امام پر فتوی دینا ہم پر واجب کیسے؟	اقول: اس لئے کہ تقلید ہم نے انہی کی کی ہے دوسرے کی نہیں، اور سید ناقل (علامہ شامی) نے تو متعدد مقامات پر خود اس کا اعتراف کیا ہے: ا۔ ہم نے انہی کے مذہب کی تقلید کا التزام کیا ہے دوسرے کے مذہب کا نہیں۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب حنفی ہے، یوسفی وغیرہ نہیں، یعنی شیبانی بھی نہیں، یہ امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما طرف نسبت ہے۔ ۲۔ حنفی نے بس امام ابو حنیفہ کی تقلید کی ہے، اسی لئے وہ انہی کی طرف منسوب ہوتا ہے کسی اور کی طرف نہیں۔
۵	حالاں کہ ہم تو صرف فتاویٰ مشائخ کے ناقل ہیں کچھ اور نہیں۔	اقول: سبحان اللہ! بلکہ ہم صرف امام اعظم کے مقلد ہیں کچھ اور نہیں، پھر آپ کے نزدیک ہمارے افتاء کی حقیقت کیا ہے؟ صرف دوسروں کے اقوال کی نقل و حکایت! تو وہ کون ہے جس نے ہم پر اپنے امام کے قول کی حکایت حرام کر دی اور اہل مذہب میں سے دیگر حضرات کے قول کی حکایت واجب کر دی؟

☆ قولِ امام پر اِفتاء کے حوالے سے صاحبِ بحر کے موقف پر علامہ سیّد ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے سوالات اور اعتراضات، اور امام اہلِ سنّت کے جوابات

	اعتراضات اور سوالات	اعلیٰ حضرت کے جوابات
۱	اس کلامِ بحر کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں۔	اقول: نہیں بلکہ پورا کلام مربوط و مبسوط، ایک دوسرے کی گرہ تھامے ہوئے ہے جیسا کہ ابھی عیاں ہو گا۔
۲	مشائخ کو "دلیل امام" سے آگاہی ہوئی اور انہیں یہ معرفت حاصل ہوئی کہ قول امام کا ماخذ کیا ہے!	امام سے مسائل منقول ہیں دلائل مشائخ نے استنباط کیے ہیں ان کا ضعف اگر ثابت بھی ہو تو قول امام کا ضعف لازم آنا تو در کنار دلیل امام کا بھی ضعف ثابت نہیں ہوتا، ممکن ہے کہ امام نے کسی اور دلیل سے فرمایا ہو۔
۳	حضرات مشائخ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے قول امام سے انحراف اس لئے اختیار کیا کہ انہیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا۔	اقول اولاً: تو کیا حضرت امام کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہیں وہ دلیل نہ مل سکی جو مشائخ کو مل گئی، اس لئے انہوں نے ایک ایسی چیز پر اعتماد کر لیا جسے مشائخ نے ضعیف ہونے کی وجہ سے ساقط کر دیا؟ خدارا انصاف! دونوں میں سے کون سا گمان زیادہ بعید ہے؟ یہ مشائخ اگر اپنے امام کے مبلغ علم کو نہ پاسکے تو اس میں ان کی کوئی بے عزتی نہیں۔ اس پایۂ بلند تک نارسائی تو مجتہدین فی المذہب میں سب سے عظیم شخصیت امام ثانی قاضی ابو یوسف سے ثابت ہے۔ فائدہ جلیلہ: اجلہ اکابر ائمہ دین معاصران امام اعظم وغیرہم رضی اللہ عنہم کی تصریحات کہ امام ابو حنیفہ کے علم و عقل کو اوروں کا علم و عقل نہیں پہنچتا، جس نے ان کا خلاف کیا ان کے مدارک تک نارسائی سے کیا۔ امام شعرانی شافعی اپنے پیر و مرشد حضرت سیدی علی خواص

		شافعی سے راوی کہ امام ابو حنیفہ کے مدارک اتنے دقیق ہیں کہ اکابر اولیاء کے کشف کے سوا کسی کے علم کی وہاں تک رسائی معلوم نہیں ہوتی۔
۴	حضرات مشائخ نے دلائل قائم کرکے اپنی کتابیں بھر دی ہیں۔	اقول: ساری دلیلیں درایۃً قائم کی ہیں، روایۃً نہیں، اب ان کی درایت کو امام کی درایت سے کیا نسبت؟
۵	دلائل قائم کرنے کے بعد بھی یہ لکھتے ہیں کہ فتویٰ مثلاً امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔	اقول: یہ اس لئے کہ ان پر وہ دلیل ظاہر نہ ہوئی جو امام پر ظاہر تھی، اور یہ حضرات اہل نظر ہیں اس لئے انہیں اسی دلیل کی پیروی کرنی تھی جو ان پر ظاہر ہوئی، کیونکہ خود امام کا ارشاد ہے: کہ ہمارے ماخذ کی دریافت کے بغیر کسی کو ہمارے قول پر افتاء روا نہیں۔ اگر ان مشائخ پر بھی وہ دلیل ظاہر ہوتی جو امام پر ظاہر ہوئی تو بلاشبہ یہ تابعدار ہو کر حاضر ہوتے۔
۶	تو ہمارے ذمے یہی ہے کہ حضرات مشائخ کے اقوال نقل کردیں۔	اقول: یہ اس کے ذمے ہوگا جس نے امام کی تقلید چھوڑ کر مشائخ کی تقلید اختیار کرلی ہو، مقلد امام کے ذمے تو وہی نقل کرنا اور اسی کو لینا ہے جو امام نے فرمایا۔
۷	اس لئے کہ یہی حضرات (مشائخ) مذہب کے متبع ہیں۔	اقول: ایسا ہے تو متبوع (امام اعظم رضی اللہ عنہ)، تابع (مشائخ) سے زیادہ مستحق اتباع ہے۔
۸	ان حضرات (مشائخ) نے مذہب کے اثبات و تقریر کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔	اقول: بہ سرو چشم! یہاں تو کلام تغییر مذہب سے متعلق ہے۔
۹	بقول علامہ قاسم (ہمارے ذمے یہی ہے کہ حضرات مشائخ کی ترجیح کو اختیار کریں) جیسے ان	اقول: اولا خدا آپ پر رحم فرمائے، بتائے اگر امام دنیا میں باحیات ہوتے اور یہ حضرات بھی باحیات ہوتے، پھر امام بھی فتوی دیتے اور یہ بھی فتوی دیتے تو آپ کس کی تقلید کرتے؟ ثانیا: علامہ قاسم کا کلام صرف ان مسائل سے متعلق ہے جن میں فتوے مشائخ کی جانب ہی رجوع کرنا ہے اس لئے کہ ان مسائل میں امام سے کوئی روایت ہی نہیں، یا امام سے روایت مختلف آئی ہے، یا ان چھ اسباب میں سے کوئی سبب موجود ہے جن کا ذکر مقدمہ

	حضرات کی اپنی حیات میں فتوی دینے کی صورت میں ہوتا۔	پنجم میں گزرا کہ یہ تو خود امام (کے قولِ ضروری) ہی کی تقلید ہے۔(آگے اعلیٰ حضرت نے اس دعوے پر علامہ شامی ہی کی اور خود علامہ قاسم کی شہادت عادلہ بطورِ دلیل پیش کی۔)
۱۰	علامہ ابن شلبی سے نقل کرتے ہوئے مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت کردی ہو کہ فتوی امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔	أقول: یا تو دیگر مشائخ اس مفتی کے موافق ہوں گے، یا اس کے مخالف ہوں گے، یا ساکت ہوں گے۔ یہ تیسری صورت (سکوت) واقع ہی نہیں۔ اور دوسری صورت میں کلام ابن شلبی پر منع ظاہر ہے۔ (یہ وہ صورت ہے کہ ایک شخص نے قول امام کے بجائے قول دیگر پر فتویٰ دیا باقی تمام حضرات قول امام ہی پر فتوے دیتے ہیں اور اس مفتی کے مخالف ہیں) محض ایک شخص کے فتوے کے باعث تمام اصحاب ترجیح کی جانب سے ترجیح یافتہ قول امام سے انحراف نہیں ہوگا۔ رہ گئی پہلی صورت (کہ دیگر مشائخ بھی اس مفتی کے ہم نوا ہیں جس نے بتایا کہ فتوی امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے) یہ بلاشبہ مسلم ہے، اور اس کا وجود ان ہی چھ صورتوں میں سے کسی ایک میں ہوگا، اس صورت میں خود قول امام کی جانب رجوع ہوتا ہے، اس سے انحراف نہیں ہوتا جیسا کہ معلوم ہوا۔
۱۱	قاضی کو غیر امام کے قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں جس میں غیر امام کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور خود امام ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر ترجیح ہو۔	پہلے جو گزر چکا یہاں اس سے بھی آگے تجاوز کیا، کیوں کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جہاں دلیل امام کو ترجیح نہ دی گئی وہاں قاضی اور اسی طرح مفتی کو قول امام سے دوسرے کی قول کی طرف عدول جائز ہے اگرچہ اس دوسرے پر بھی ترجیح کا نشان نہ ہو، یہ مفاد اس طرح ہوا کہ انہوں نے عدم عدول کے حکم کی بنیاد ایک وجود اور ایک عدم پر رکھی ہے: ۱۔ دلیل امام کی ترجیح کا وجود ہو۔ ۲۔ اور قول غیر کی ترجیح کا عدم ہو، توجب تک دونوں چیزیں جمع نہ ہوں عدول جائز ہوگا، حالانکہ ثقات عدول (معتمد و مستند حضرات) اس اطلاق کے قائل نہیں، کیوں کہ یہ ان دو صورتوں کو بھی شامل ہے:

		۱۔ قول امام اور قول غیر دونوں کو ترجیح ملی ہو، ۲۔ دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہ دی گئی ہو، بلاشبہ ان دونوں صورتوں میں قول امام پر ہی عمل ہوگا، اول کا بیان مقدمہ ہفتم میں گزرا، دوم سے متعلق ملاحظہ ہو، سیدی طحطاوی باب زکاۃ الغنم میں مسئلہ صرف الہالک الی العفو کے تحت رقم طراز ہیں: "معلوم ہے کہ عدم تصحیح کی صورت میں صاحب مذہب کے قول سے عدول نہ ہوگا۔"
۱۲	متون مذہب کے مصنفین بعض اوقات مذہب امام کے سوا کوئی اور اختیار کرتے ہیں۔ (منحۃ الخالق)	اقول : ہاں چھ ٦ صورتوں میں سے کسی ایک میں ایسا کرتے ہیں، یہ بعینہ قول امام ہوتا ہے ان کے علاوہ صورتوں میں اگر کوئی مصنف کسی دوسرے مذہب پر چلے تو قبول نہ کیا جائے گا، جیسا کہ مسئلہ شفق میں اس کا بیان آرہا ہے، اسی طرح تفسیر "مصر" کا مسئلہ ہے جیسا کہ غنیہ شرح منیہ سے معلوم ہوتا ہے، اور ہم نے اپنے فتاوی میں اسی کی اتنی تفصیل کی ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں۔ اب رہی یہ صورت کہ ان چھ اسباب کے بغیر تمام اصحاب متون قول امام کی مخالفت پر گام زن ہوں تو ایسا نہیں ہو سکتا، اگر کوئی دعوی رکھتا ہے تو اس کی کوئی ایک ہی مثال پیش کردے۔
۱۳	جب مشائخ مذہب نے اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جو ان کے حق میں شرط ہے، قول امام کے خلاف فتوی دے دیا تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ انہیں زیادہ علم ہے۔	اقول اولاً: امام کو ان سے بھی زیادہ علم ہے اور ان سے اعلم سے اعلم سے بھی زیادہ، تو زیادہ قابل اعتماد کون ہے ؟ ثانیاً: مقدمہ دوم ملاحظہ ہو، ان کے حق میں دلیل تفصیلی ہے جو انہیں نہ ملی، اور ہمارے حق میں اجمالی ہے جو ہمارے پاس موجود ہے تو کیسے ہم ان کی پیروی کریں اور دلیل چھوڑ کر فقدان دلیل کی طرف جائیں ؟
۱۴	یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ ہمارے اوپر قول امام پر ہی فتوی دینا واجب ہے۔	اقول : یہ محض ایک شبہ ہے جسے ہم مقدمہ سوم میں منکشف کر آئے ہیں۔ علامہ شامی: تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات نے کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟

	اس لئے کہ ہمارے حق میں (قول امام پر افتاء کی) شرط (دلیل سے ناآشنائی) مفقود ہے۔ حالاں کہ یہ بھی اقرار ہے کہ وہ شرط مشائخ کے حق میں بھی مفقود ہے۔	﴿مقدمہ سوم کی تفصیل یہ ہے کہ مجتہد۔اگر کسی دوسرے مجتہد کا قول اس کی دلیل تفصیلی سے آگاہی کے بغیر لیتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ تقلید حقیقی اور حرام ہے۔ جبکہ عامی کا حکم اس کے بر خلاف ہے کہ دلیلِ تفصیلی سے ناآشنائی اس پر واجب کرتی ہے کہ وہ قولِ مجتہد کی پیروی (تقلید عرفی) کرے۔ بصورتِ دیگر لازم آئے گا کہ عامی دلیلِ تفصیلی جاننے کا مکلف ہو جو کہ اس کے بس میں نہیں یا اسے بیکار چھوڑ دیا جائے جو درست نہیں۔ اَبو اللیث ط﴾ **اقول : واجب کرنے والی چیز ہمارے حق میں اور ہے ان کے حق میں اور، اعتراض مذکور، اسی فرق سے ذہول پر مبنی ہے، اگر مقام فرق کو جمع کرنا چاہیں تو جامع یہ ہے کہ جو بھی دلیل سے الگ ہوا وہ منکر و ناروا کا مرتکب ہوا، اب ہماری دلیل ہمارے امام کا قول ہے او رہمارے لئے اس کی مخالفت ناروا ہے، اور ان حضرات کی دلیل وہ ہے جو کسی مسئلہ میں ان پر منکشف ہو، تو اس دلیل کی طرف ان کا رجوع ناروا نہیں۔**
۱۵	اسی پر شیخ علاء الدین (حصکفی صاحبِ الدرّ المختار) گام زن ہیں۔	**اقول : در مختار کے شروع میں اور کتاب القضاء میں دونوں جگہ وہ اسی پر گام زن ہیں کہ فتوی مطلقاً قول امام پر ہے جیسا کہ آگے ان کا کلام آرہا ہے، رہی ان کی یہ عبارت: اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ، ہمیں تو اسی کی پیروی کرنی ہے جسے ان حضرات نے راجح قرار دیا" تو یہ تصحیح علامہ قاسم سے ماخوذ ہے جیسا کہ ردالمحتار میں آپ (علامہ شامی) نے افادہ فرمایا۔ خود در مختار ابتدائے کلام اسی طرح ہے۔ اور اس (عبارت فعلینا اتباع ما رجحوہ) کا کا صحیح مطلب کیا ہے، جو شیخ قاسم نے انہی تصحیح میں بیان کیا؟ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے، (اعتراض نمبر ۹ مع جواب ملاحظہ کریں۔ ابو اللیث ط)**

بحث کی دُرست توجیہ (وجہِ حصر)
اور
اثباتِ موقف پر ذکرِ نقول ونصوص۔

اقول : وباللہ التوفیق ،ہمارے نزدیک جو مقرر اور طے شدہ ہے وہ ہماری بحثوں سے ظاہر ہو گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

☆ **مسئلہ میں چھ أسباب تغیر (اسبابِ ستہ) سے کوئی رو نما ہو گا یا نہیں۔۔**

1۔ مسئلہ میں چھ أسباب تغیّر (اسبابِ ستہ) سے کوئی رو نما ہے تو؟

حکم اس سبب کے تحت ہو گا، اور یہ امام کا قول ضروری ہو گا جس پر مطلقاً اعتماد ہے خواہ ان کا قول صوری، بلکہ ان کے اصحاب کا قول اور مرجحین کی ترجیحات بھی اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں،

کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے اگر یہ سبب ان حضرات کے زمانے میں رونما ہوتا وہ بھی اسی پر حکم دیتے، امام کا قول ضروری ایسا امر ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ روایت پر نظر ہو گی نہ ترجیح پر بلکہ وہی مرجحین کا بھی قول ضروری ہے اس میں کسی زمانے کی پابندی بھی نہیں (فلاں زمانے میں سبب رونما ہو تو قول ضروری ہو گا اور فلاں زمانے میں نہ ہو گا)۔

جن متاخرین نے منصوص کی مخالفت کی ہے ان کی مخالفت کی وجہ یہی ہے کہ زمانہ امام کے بعد کوئی اور عرف رونما ہو گیا، تو ان کی اقتداء میں مفتی کا بھی یہ حق ہے کہ عرفی الفاظ میں اپنے عرف جدید کا اتباع کرے اسی طرح ان احکام میں بھی جن کی بنیاد مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف پر رکھی تھی اور وہ عرف کسی اور عرف سے بدل گیا، لیکن یہ حق اس وقت ملے گا جب مفتی صحیح رائے ونظر اور قواعد شرعیہ کی معرفت کا حامل ہو تا کہ یہ تمیز کر سکے کہ کس عرف پر احکام کی بنیاد ہو سکتی ہے اور کس پر نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح فتح القدیر میں ہے کہ: اگر مفتی یا قاضی عرف اور قرائن واضحہ چھوڑ کر اور لوگوں کے حالات سے بے خبر ہو کر نقل شدہ حکم کے ظاہر پر جمود اختیار کر لے تو اس سے بہت سے حقوق کی بربادی اور بے شمار مخلوق پر ظلم وزیادتی لازم آئے گی اھ۔

مثلاً: ۱۔ **مسئلہ :** جو مسجد ویران ہو اور اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے آلات کی حفاظت نہ ہو سکے تو اب فتوی اس پر ہے کہ اس کے کڑی تختے وغیرہ دوسری مسجد میں دیے جاسکتے ہیں۔

۲۔ **مسئلہ:** جس کے کسی پر مثلاً سو روپے آتے ہوں اور اس نے دبالئے اور اسے اس سے روپیہ ملنے کی امید نہیں تو سو روپے کی مقدار تک اس کا جو مال ملے لے سکتا ہے آج کل اس پر فتوی دیا گیا ہے مگر سچے دل سے بازار کے بھاؤ سے سو روپے ہی کا مال ہو زیادہ ایک پیسہ کا ہو تو حرام در حرام ہے۔

۳۔ **مسئلہ:** کسی مسلمان کی بیوی مرتد ہو جائے تو نکاح سے نہ نکلے گی کیوں کہ میں نے یہ دیکھا کہ رشتہ نکاح منقطع کرنے کی جانب پیش قدمی میں ان کے اندر ارتداد کی جسارت پیدا ہو جاتی ہے اور ہمارے بلاد میں نہ انہیں باندی بنایا جاسکتا ہے نہ مار پیٹ کر اسلام لانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، لہذا اب فتوی اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذاللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نہیں نکل سکتی وہ بدستور اپنے شوہر مسلمان کے نکاح میں ہے مسلمان ہو کر یا بلا اسلام دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔

2۔ مسئلہ میں اسباب ستہ میں سے کوئی سبب نہیں۔

2.1۔ اگر اس میں امام سے کوئی بھی روایت نہیں آئی:

تو یہ صورت ہمارے مبحث سے خارج ہے، اور بلاشبہ اس صورت میں مجتہدین فی المذہب کی جانب رجوع ہو گا۔

2.2۔ اگر اس میں امام سے کوئی روایت موجود ہے تو یہ صورت دو حال سے خالی نہیں

2.2.1۔ یا تو امام سے روایت مختلف آئی ہو گی۔

تو رجوع ان ہی حضرات (مجتہدین) کی جانب ہو گا، اور جیسے بھی ہو قول امام رضی اللہ عنہ سے خروج نہ ہو گا۔ (کیونکہ دونوں قول امام ہی ہیں)۔

اوراختلاف روایت سے میری مراد یہ نہیں کہ روایات نوادر، ظاہر الروایہ کے خلاف آئی ہو اس لئے کہ جو ظاہر الروایہ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے (اس سے خود امام نے رجوع کرلیا) جیساکہ بحر، خیر رملی، شامی وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، اور امام نے جس سے رجوع کرلیا وہ ان کا قول نہ رہ گیا، اس تحقیق پر ثابت قدم رہو۔

2.2.2۔امام سے روایت بلا اختلاف آئی ہوگی۔

اس صورت میں:

(۱)یا تو صاحبین امام کے موافق ہوں گے

(۲)یا صرف ایک صاحب موافق ہوں گے

(۳)یا دونوں حضرات مخالف ہونگے۔

پہلی صورت(صاحبین امام کے موافق): میں قطعاً قول امام پر عمل ہوگا اور کسی مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی مخالفت روا نہیں، مگر استثنایعنی اسباب ستہ والی صورتوں میں کہ یہ ان حضرات کی مخالفت نہیں، بلکہ اس کے خلاف جانے میں ان کی مخالفت ہے۔

یہی حکم **دوسری صورت** کا بھی ہے (جب صرف ایک صاحب موافق ہوں گے)، جیساکہ اس کی بھی مذکورہ حضرات نے تصریح فرمائی ہے۔

تیسری صورت، (جب کہ روایت، امام سے بلا اختلاف آئی ہے اور صاحبین مخالف ہوں)

(۱)یا تو صاحبین باہم کسی ایک حکم پر متفق ہوں گے۔

(۲)یاامام کے مخالف ہونے کے ساتھ باہم بھی مختلف ہوں گے۔

بصورت دوم: جب صاحبین باہم بھی مختلف ہوں گے تو **مطلقاً قول امام پر عمل ہوگا**،

بصورت اوّل: جب امام سے اختلاف کرنے میں صاحبین باہم کسی ایک حکم پر متفق ہوں گے۔

۱۔ یا تو مرجحین قول صاحبین کی ترجیح پر متفق ہونگے،

۲۔ یا قول امام کی ترجیح پر متفق ہوں گے،

۳۔ یہ دونوں صورتیں نہ ہوں گی، اس طرح کہ ترجیح کے معاملے میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہوں یا سرے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہو۔

پہلی صورت: (جب صاحبین امام کے مخالف، باہم متفق ہوں اور تمام مرجحین بھی ان ہی کی ترجیح پر متفق ہوں) نہ کبھی ہوئی نہ کبھی ہو سکتی ہے مگر ان ہی چھ اسباب میں سے کسی ایک سبب کی صورت میں اگر ایسا ہے تو ہم مرجحین کا اتباع کریں گے، کیونکہ یہی ہمارے امام کا بلکہ ہمارے تینوں ائمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کا قول ہے، صاحبین کا قول صوری بھی ہے، اور امام کا قول ضروری، اور اگر کوئی اپنی انتہائی کوشش اس بات کے لئے صرف کرڈالے کہ اسباب ستہ والی صورتوں کے علاوہ کوئی ایک جزئیہ ایسا نکال لے جس میں سب کے سب مرجحین نے قول امام کے ترک اور قول صاحبین کی ترجیح پر اجماع کر رکھا ہو تو ہرگز ہرگز کبھی ایسا کوئی جزئیہ نہ پا سکے گا، وللہ الحمد۔

دوسری صورت: (صاحبین مخالف امام ہیں، مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہیں) میں ظاہر ہے کہ قول امام پر عمل ہوگا بالاجماع اس میں کسی دو فرد کا بھی باہم نزاع نہیں ہو سکتا۔

نوٹ: یہاں تک جو مسائل بیان ہوئے ان میں کوئی اختلاف نہیں اور سب میں یہی ہے کہ عمل قول امام ہی پر ہے جہاں بھی قول امام موجود ہو۔

تیسری صورت: رہ گئی،

(جب صاحبین امام کے مخالف، باہم متفق ہوں، ترجیحِ صاحبین کے معاملے میں مشائخ باہم اختلاف رکھتے ہوں یا سرے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہو)

یہ ان شقوں کی آٹھ صورتوں میں سے آٹھویں صورت ہے، اسی میں اختلاف وارد ہے،

ایک قول ہے کہ یہاں بھی کوئی تخییر نہیں یہاں تک کہ مجتہد کے لئے بھی نہیں، بلکہ اسے قول امام ہی کی پیروی کرنا ہے اگرچہ اس کا اجتہاد قول صاحبین کو ترجیح دیتا ہو،

ایک قول ہے کہ مطلقاً تخییر ہے اگرچہ غیر مجتہد ہو،

اور کلمات علماء جس کی تصحیح پر متفق ہیں وہ قول یہ ہے کہ مجتہد اور غیر مجتہد کا حکم یہاں الگ الگ ہے۔ مقلد قول امام کی پیروی کرے گا، اور صاحب نظر قوت دلیل کی پیروی کرے گا۔

☆ **تو تمام صحیح معتمد کلمات اس پر متحد ثابت ہوئے کہ مقلد کو بہر صورت امام ہی کی تقلید کرنا ہے اگرچہ کسی ایک مفتی یا چند مفتیوں نے اس کے خلاف فتوی دیا ہو کیونکہ سب کے سب مفتیوں کا خلاف امام افتا بجز صور استثنا (أسباب ستہ) نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو گا۔**

والحمد للہ رب العٰلمین وصلاتہ الدائمۃ علی عالم ماکان وما یکون وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ افضل ماسأل السائلون۔

☆ **ذیل میں اس وجہِ حصر کو اختصاراً، ایک چارٹ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔**

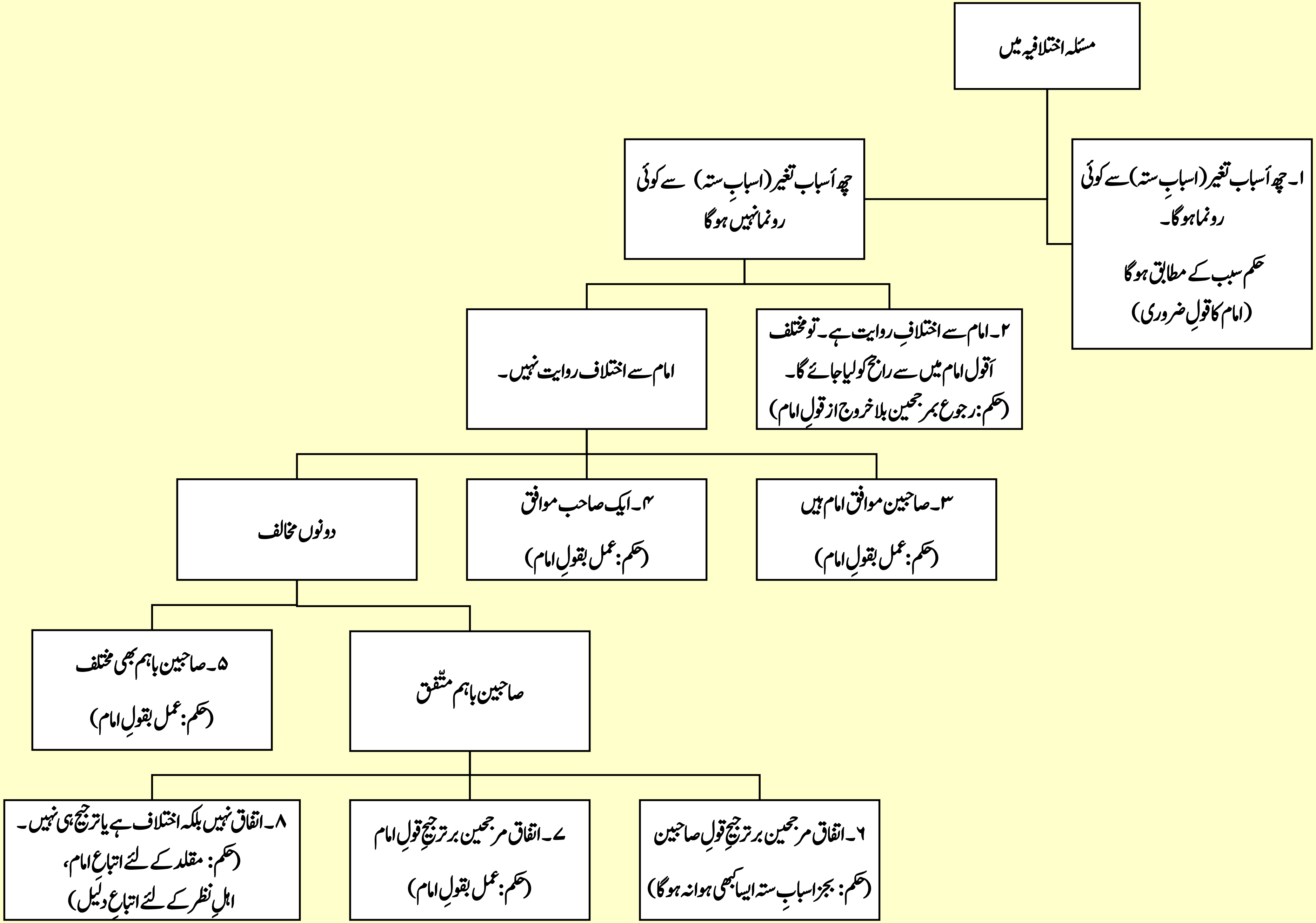
مسئلہ اختلافیہ میں
۱۔ چھ أسباب تغیر (اسبابِ ستہ) سے کوئی رونما ہوگا۔
حکم سبب کے مطابق ہوگا
(امام کا قولِ ضروری)
چھ أسباب تغیر (اسبابِ ستہ) سے کوئی رونما نہیں ہوگا
۲۔ امام سے اختلافِ روایت ہے۔ تو مختلف اَقول امام میں سے راجح کو لیا جائے گا۔
(حکم: رجوع بمرجحین بلا خروج از قولِ امام)
امام سے اختلاف روایت نہیں۔
۳۔ صاحبین موافق امام ہیں
(حکم: عمل بقولِ امام)
۴۔ ایک صاحب موافق
(حکم: عمل بقولِ امام)
دونوں مخالف
۵۔ صاحبین باہم بھی مختلف
(حکم: عمل بقولِ امام)
صاحبین باہم متّفق
۶۔ اتفاق مرجحین بر ترجیحِ قولِ صاحبین
(حکم: بجز اسبابِ ستہ ایسا کبھی ہوا نہ ہوگا)
۷۔ اتفاق مرجحین بر ترجیحِ قولِ امام
(حکم: عمل بقولِ امام)
۸۔ اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے یا ترجیح ہی نہیں۔
(حکم: مقلد کے لئے اتباعِ امام،
اہلِ نظر کے لئے اتباعِ دلیل)

اثباتِ موقف پر ۴۵ نصوص

(اوپر ثابت شدہ موقف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) یہ ہے وہ، جو کلماتِ علماء کی تلخیص سے ہمیں حاصل ہوا۔ اور یہی وہ چشمہ صافی ہے جس پر "بحر" اترے۔ اب علماء کے نصوص ملاحظہ ہوں۔ (پھر مدعا کے اثبات پر معتمد کتب سے ۴۵ نصوص پیش فرمائے، جن میں سے چند کتابوں کے نام (ابجدی ترتیب پر) یہ ہیں۔)

تنویر الابصار للتمرتاشي	غمز عیون البصائر في شرح الأشباه والنظائر (حموي)	محیط السرخسی، کتاب اد ب القاضی الباب الثالث	التصحیح و الترجیح	البحر الرائق شرح کنز الدقائق
الفتاوی السراجیة، کتاب ادب المفتی والتنبیه علی الجواب	الفتاوی الهندیة	فتاوٰی قاضی خان ، فصل فی رسم المفتی	النهر الفائق شرح کنزالدقائق، کتاب القضاء	جامع الفصولین ، الفصل الاول فی القضاء
منحة الخالق علی البحر الرائق شرح کنز الدقائق	حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، رسم المفتی	رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق	ردالمحتار، مقدمة الکتاب مطلب رسم المفتی	شرح عقود رسم المفتی رساله من رسائل ابن عابدین

(ذکرِ نصوص کے بعد لکھتے ہیں) آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ تمام نصوص کلام بحر کے موافق ہیں اور میرے علم میں کسی نے بھی اس پر کوئی تعاقب نہ کیا سوا دو متاخر عالموں کے، دونوں حضرات میں سے ہر ایک نے عیب بھی لگایا اور رجوع بھی کیا، انکار بھی کیا اور اقرار بھی، مفارقت بھی کی اور مرافقت بھی مخالفت بھی اور موافقت بھی یہ ہیں علامہ خیر الدین رملی اور سید امین الدین شامی رحمۃ اللہ علیہما، اور کسی مضطرب کلام کا یوں ہی کوئی اعتبار نہیں۔

آٹھویں صورت:

(جب صاحبین امام کے مخالف، باہم متفق ہوں اور ترجیحِ صاحبین کے معاملے میں مشائخ باہم اختلاف رکھتے ہوں یا سرے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہو)

یہ بھی معلوم ہوچکا کہ اس مسئلہ کی سات صورتوں میں کوئی نزاع نہیں، ایک ضعیف اختلاف صرف آٹھویں صورت میں آیا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ صاحبین باہم ایک قول پر متفق ہوتے ہوئے امام کے خلاف ہوں اور مرجحین دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح پر متفق نہ ہوں۔

- بس اسی صورت میں ایک ضعیف قول آیا ہے جس کے قائل کا پتانہیں، بلکہ اس کے وجود میں بھی شبہ ہے، وہ قول یہ ہے کہ مقلد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے۔
- صحیح مشہور معتمد منصور قول یہ ہے کہ مقلد قول امام کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔

نوٹ: یہ دونوں قول جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مطلق اور ہر طرح کی قید سے آزاد ہیں۔ کسی میں ترجیح یا عدم ترجیح کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے (ضعیف میں مطلقًا اختیار دیا گیا ہے جس کی چاہے پیروی کرے اور صحیح میں مطلقًا پابند امام رکھا گیا ہے کہ قول امام کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔)

❖ **محقق شامی کا نیا مسلک: مقلد کو نہ اختیار ہے نہ تقلید امام کی پابندی بلکہ اس پر یہ ہے کہ مرجحین کی پیروی کرے:**

لیکن محقق شامی نے اپنے لئے ایک نیا مسلک اختیار کیا ہے جس کی کوئی صحیح سند میرے علم میں نہیں وہ مسلک یہ ہے کہ مقلد کو نہ اختیار ہے نہ تقلید امام کی پابندی بلکہ اس پر یہ ہے کہ مرجحین کی پیروی کرے۔

ردالمحتار کے شروع میں لکھتے ہیں: "سراجیہ کی عبارت "اول اصح ہے جب کہ وہ صاحب اجتہاد نہ ہو"، اس بارے میں صریح ہے کہ مجتہد یعنی وہ جو دلیل میں نظر کا اہل ہو، اس قول کی پیروی کرے گا جس کی دلیل زیادہ قوی ہو ورنہ ترتیب سابق کا اتباع کرے گا۔ اسی لئے دیکھتے ہو کہ مرجحین بعض اوقات امام صاحب کے کسی شاگرد کے قول کو ان کے قول پر ترجیح دیتے ہیں جیسے سترہ مسائل میں تنہا امام زفر کے قول کو ترجیح دی ہے تو ہم اسی کی پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی کیوں کہ وہ دلیل میں نظر کے اہل تھے۔ اھ"

اور ردالمحتار کتاب القضاء میں لکھا: "اس کے لئے ترتیب مذکور کی مخالفت جائز نہیں مگر جب کہ اسے ایسا ملکہ ہو جس سے وہ قوت دلیل پر آگاہ ہونے کی قدرت رکھتا ہے، اسی سے پہلے قول کا مآل وہی ٹھہرا جو حاوی میں ہے کہ صاحب اجتہاد مفتی کے حق میں قوت دلیل کا اعتبار ہے۔ ہاں اس میں کچھ مزید تفصیل ہے جس سے حاوی نے سکوت اختیار کیا۔ تو دونوں قول اس پر متفق ہوگئے کہ اصحاب ترجیح مشائخ میں سے مجتہد فی المذہب پر مطلقاً قول امام لینا ضروری نہیں بلکہ اس کے ذمہ یہ ہے کہ دلیل میں نظر کرے اور جس قول کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو اسے ترجیح دے"۔

اور ہمیں اس کی پیروی کرنا ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی اور جس پر اعتماد کیا جیسے وہ اگر اپنی حیات میں کہیں فتویٰ دیتے تو یہی ہوتا جیسا کہ شروع کتاب میں علامہ قاسم سے نقل کرتے ہوئے شارح نے اس کی تحقیق کی ہے، اور آگے ملتقط کے حوالے سے آرہا ہے کہ اگر قاضی صاحب اجتہاد نہ ہو تو اسے مرجحین کی تقلید اور ان کی رائے کا اتباع کرنا ہے اس کے خلاف فیصلہ کردے تو نافذ نہ ہوگا، اور فتاوی ابن الشلبی میں ہے کہ قول امام سے عدول نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ تصریح کردی ہو کہ فتوی کسی اور کے قول پر ہے، اسی سے بحر کی یہ بحث ساقط ہوجاتی ہے کہ ہمیں قول امام پر ہی فتوی دینا ہے اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف فتوی دیا ہو۔ اھ"

☆ اس عبارت اور موقف پر امامِ اہلسنت کے جوابات:

- **اولاً:** یہ جیسا آپ دیکھ رہے ہیں ایک نیا قول ہے۔

- **ثانیًا:** مزید نئی بات یہ بڑھائی کہ اس ترجیح کا بھی اتباع کرنا ہے جو ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے بر خلاف ہو، حالاں کہ صریح نصوص اس کے خلاف ہیں، جیساکہ ملاحظہ کر چکے، ہاں قول ضروری کا ہم اتباع کریں گے جہاں امام کا قول ضروری ہو، خواہ اس کے ساتھ ترجیح ہو یا نہ ہو، بلکہ ترجیح اس کے بر خلاف ہو جب بھی، جیساکہ معلوم ہوا تو اس میں ترجیح کی پیروی نہیں بلکہ قول امام کی ہے۔
- **ثالثًا:** محل نزاع جس کی پوری وضاحت آپ کے سامنے گزری یہاں اس سے بھی ذہول ہے بلکہ اور بھی زیادہ ہے اس لئے کہ (محل نزاع صرف وہ صورت ہے جس میں صاحبین باہم ایک قول پر متفق ہونے کے ساتھ امام کے مخالف ہوں۔)

اب اس کی چھ قسمیں ہوں گی، (۱) مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہوں (۲) یا قول صاحبین کی ترجیح پر (گزر چکا کہ یہ صورت نہ کبھی ہوئی نہ ہو گی) (۳) مرجحین کی کثرت یا لفظ ترجیح کی قوت کے باعث دونوں ترجیحوں سے ارجح، قول امام کے حق میں ہو (۴) یا قول صاحبین کے حق میں ہو (۵) دونوں قول ترجیح میں برابر ہوں (۶) یا عدم ترجیح میں برابر ہوں،۔

ان میں سے علامہ شامی کے اختلاف کے قابل صرف چوتھی قسم ہے وہ یہ کہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح، قول صاحبین کے حق میں ہو۔

مگر اب یہ دس قسموں میں سے دسویں قسم بن جاتی ہے، اور اس حد تک تعدی ہو جاتی ہے جو مقسم سے بھی اعم ہے وہ یہ کہ بہر حال ترجیح کی پیروی ہو گی خواہ مخالفِ امام دونوں حضرات ہوں یا ایک ہی ہوں، یا کوئی بھی مخالف نہ ہو۔

(یہ صورت یعنی صاحبین کے علاوہ کوئی بھی مخالف ہو اصل بحث کا حصہ ہی نہیں تھی، لیکن اسے شامل کر کے چھ اقسام اب دس تک پہنچ گئیں۔ ابو اللیث ط)۔

وہ اس طرح کہ: امام کے مخالف صاحبین ہیں یا ایک یا کوئی نہیں

(۱۔۲) اور ترجیح یا عدم ترجیح میں سب برابر ہیں (۳) اتفاق۔ قولِ امام کی ترجیح پر ہے (۴) اتفاق۔ قول صاحبین کی ترجیح پر (۵) اتفاق۔ ایک صاحب کے قول کی ترجیح پر (۶) اتفاق۔ اس پر جو کسی کا قول نہیں (۷) امام اور غیر دونوں کو ترجیح ملی لیکن ارجح ترجیحات قول امام کے حق میں ہے۔ (۸) ارجح ترجیحات قول صاحبین کے حق میں (۹) ارجح ترجیحات ایک صاحب کے حق میں (۱۰) ارجح ترجیحات اس کے حق میں جو کسی کا قول نہیں۔

(صورت نمبر ۴ سے ۶ کبھی واقع ہوئیں نہ ہو نگی۔ محمد احمد مصباحی)

- **رابعا:** بالفرض اس نوپید قول کا کتابوں میں کوئی نام و نشان ہو جب بھی تقلید امام کی پابندی والا قول اس پر ترجیح یافتہ اور واجب الاتباع ہوگا۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔

وجہ اول: یہ امام اعظم کے شاگرد، بحرِ علم، فقہاء، محدثین اور اولیا کے امام سیدنا عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے، کہ حاوی قدسی میں ہے: (اور آپ [علامہ شامی] نے شرح عقود میں اسے نقل بھی فرمایا ہے) کہ: **جب مسئلہ میں امام ابو حنیفہ سے کوئی روایت نہ ملے تو ظاہر قول امام ابو یوسف، پھر ظاہر قول امام محمد، پھر ظاہر قول امام زفر و حسن وغیرہم لیا جائے گا** (ظاہر سے مراد وہ جو ظاہر الروایہ میں ہو جیسا کہ حاشیہ مصنف میں گزرا ۱۲م) بزرگ تر پھر بزرگ تر، یوں ہی کبار اصحاب کے آخری فرد تک۔)

وجہ دوم: اسی پر جمہور ہیں، اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں، جیسا کہ آپ (علامہ شامی) نے خود رد المحتار اور العقود الدریہ میں اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس پر اپنے فتاوی اور فصل القضاء فی رسم الافتاء میں بکثرت نصوص جمع کر دیئے ہیں۔

وجہ سوم: یہی وہ قول ہے جس پر تصحیحات کا توارد اور ترجیحات کا اتفاق ہے، تو اگر ترجیحات کا اتباع واجب ہے، تو اس کا قائل ہونا بھی واجب کہ امام کی تقلید ضروری ہے اگر چہ صاحبین مطلقاً ان کے مخالف ہوں۔ اور اگر اتباع ترجیحات واجب نہیں تو سرے سے بحث ہی ساقط ہوگئی، کیونکہ یہ سارا اختلاف، ترجیحات کا اتباع واجب ہونے ہی کے بارے میں تھا، اس سے ظاہر ہوا کہ خود نزاع ہی نزاع کو ختم کر دیتا ہے۔ اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی؟

- **خامساً:** سیّد محقق ان لوگوں میں سے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں اور وہ جس بات میں چاہے جس کی چاہے تقلید کر سکتا ہے۔ منحۃ الخالق کی کتاب القضاء میں خود اسی بحث کے تحت لکھتے ہیں: "ہاں مؤلف نے جو ذکر کیا ہے اس قول کی بنیاد پر ظاہر ہے کہ جس نے مذہب امام کا التزام کر لیا، اس کے لئے دوسرے کی تقلید جن باتوں پر وہ عمل کر چکا ہے ان کے علاوہ میں بھی جائز نہیں، اور تمہیں معلوم ہے کہ تحریر کے حوالے سے ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ قول مختار کے بر خلاف ہے۔" [منحة الخالق علیٰ بحر الرائق كتاب القضاء فصل يجوز تقليد من شاء]

لیکن علامہ شامی سے سوال ہو سکتا ہے کہ:

- جب مذہب کی پابندی ضروری نہیں اور اس سے بالکلیہ باہر آنا روا ہے تو کسی معین مذہب کے حضرات مرجحین جنہوں نے اس مذہب کے دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دی، ان کی پیروی کیسے ضروری ہو گئی؟
- یہ کلام تو ان حضرات کے متفق ہونے کی صورت میں ہے۔ پھر اس صورت کا کیا حال ہو گا جب یہ باہم مختلف ہوں اور ایک طرف مجتہد مطلق امام اعظم بھی ہوں، یہ جن کی گرد پا کو بھی نہ پا سکے اور ان سب حضرات کا مجموعی کمال بھی ان کے فضل و کمال کے دسویں حصے کو نہ پہنچ سکا۔ یہ ضب اور نون کو جمع کرنے کے سوا کیا ہے؟
- اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ حضرت امام، ان کے اصحاب اور ان کے مذہب کے اصحابِ ترجیح سب کے سب متفقہ طور پر جب کسی قول پر اجماع کر لیں تو مقلدین کے ذمہ اسے لینا ضروری نہیں بلکہ انہیں اختیار ہے اسے لے لیں، یا اپنی خواہشات نفس کے مطابق مذہب سے خارج اقوال کو لے لیں، لیکن جب امام کوئی قول ارشاد فرمائیں، اور ان کے صاحبین ان کے خلاف کہیں پھر دونوں قولوں میں سے ہر ایک کو کچھ مرجحین ترجیح دیں اور صاحبین کی جانب ترجیح دینے والوں کی تعداد زیادہ ہو یا اس طرف ترجیح کے الفاظ زیادہ موکد ہوں تو ایسی صورت میں ان مرجحین کی تقلید واجب ہو جائے اور امام اور ان کے موافق حضرات کی تقلید ناجائز ہو جائے، بلکہ اگر امام اور صاحبین کا کسی بات پر اجماع ہو اور ان متاخرین میں سے کچھ افراد ان کے اجماع کے مخالف کسی قول کو ترجیح دے دیں تو ان ائمہ کی تقلید چھوڑ کر ان افراد کی تقلید اور پیروی واجب ہو جائے، یہی وہ کھلا ہوا باطل خیال ہے جس پر شرع متین سے ہرگز کوئی دلیل نہیں، والحمد للہ رب العالمین۔

<u>اسی سے ظاہر ہوا کہ بحر الرائق کا کلام تو اس قول حق پر مبنی تھا جو منصور، معتمد، مختار ہے، جسے قولاً تمام ائمہ کبار نے لیا اور عملاً ان کے ساتھ ان بزرگ مخالفین نے بھی لیا، لیکن علامہ شامی کے خیال کی بنیاد نہ اس مختار پر قائم ہے نہ اس پر جس کو بزعم خویش مختار سمجھا بلکہ وہ علانیہ و عیاں طور پر دونوں ہی کے خلاف ہے</u>۔ والحجة للہ العزیز الغفار،

والصّلوۃ والسلام علی سید الابرار، وآلہ الاطہار، وصحبہ الکبار، وعلینا معہم فی دار القرار، آمین

علامہ شامی کی عبارت اور منہج کی ایسی توجیہ جس سے ان کا دفاع بھی ہو جاتا ہے۔ اور کلامِ بحر سے صرف لفظی اختلاف رہ جاتا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان فقط طریق حکم کا فرق رہ جاتا ہے۔

مجھے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی کے کلام کی توجیہ میں یہ سمجھ آتا ہے کہ:

ان کی مراد وہ صورت ہے جس میں حضرت امام رضی اللہ تعالی عنہ کے سوا کسی اور کے قول کی ترجیح پر مرجحین کا اتفاق ہو، اسے اس اطلاق کی تردید میں ذکر کیا جو بحر کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ "اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف فتوی دیا ہو" کیوں کہ بظاہر یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جس میں غیر امام کے قول کی ترجیح پر اجماع مشائخ ہو۔

اس توجیہ کی دلیل:

- یہ مراد ہونے پر کلام شامی میں دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اتباع مرجحین سے استدلال کیا ہے اور اس بات سے کہ وہ زیادہ علم والے ہیں اور انہوں نے دلائل کی جانچ کر کے اس کی ترجیح کا فیصلہ کیا ہے، اور کلام کے کسی حصے میں اختلاف ترجیح کی صورت کو ہاتھ نہ لگایا، دو ترجیحوں میں سے ایک کے ارجح ہونے کا تذکرہ تو در کنار، اختلاف ترجیح کی صورت اگر انہیں مقصود ہوتی تو صرف اتباع مرجحین کے حکم پر اکتفانہ کرتے کیونکہ اس صورت میں اتباع مرجحین تو دونوں ہی جانب موجود ہے، بلکہ اس تقدیر پر وہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح کے اتباع کا ذکر کرتے۔
- اس کی تائید ان کے اس کلام سے بھی ہوتی ہے جسے ہم مقدمہ ہفتم میں نقل کر آئے ہیں کہ، جب دونوں تصحیحوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط ہو گئیں اس لئے ہم نے اصل کی جانب رجوع کیا، وہ یہ ہے کہ امام کا قول مقدم رہے گا اھ۔(ردالمحتار: مطلب اذا تعارض التصحیح)۔

یہ اگرچہ بظاہر دونوں ترجیحیں برابر ہونے کی صورت میں ہے لیکن آگے اس پر ترقی کرتے ہوئے خیریہ اور بحر کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے وہ تعین کر دیتا ہے کہ حکم اعم ہے۔

- اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جسے آخر کلام میں مقصود سے متعلق پوری عبارتِ درمختار کا حاصل قرار دیا، **وہاں یہ لکھا ہے:**

- "عبارت در" فلیحفظ، تو اسے یاد رکھا جائے "کا معنی یہ ہے کہ وہ سب یاد رکھا جائے جو ہم نے ذکر کیا اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی حکم پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہو تو قطعا

اسی پر فتوی دیا جائے گا ورنہ تین صورتیں ہوں گی،

(۱) مشائخ نے دونوں قولوں میں سے صرف ایک کو صحیح قرار دیا ہو

(۲) ہر ایک کی تصحیح ہوئی ہو۔

(۳) مذکورہ دونوں صورتیں نہ ہوں۔

تیسری صورت میں ترتیب کا اعتبار ہوگا اس طرح کہ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوی دیا جائے گا، پھر امام ابو یوسف کے قول پر الخ، یا، قوت دلیل کا اعتبار ہوگا، اور ان دونوں میں تطبیق کا بیان گزر چکا۔

اور پہلی صورت میں اگر تصحیح افعل التفضیل کے صیغے (مثلا لفظ اصح) سے ہو تو مفتی کو تخییر ہوگی ورنہ (مثلا صرف لفظ صحیح ہو تو) نہیں، بلکہ مفتی کو اسی پر فتوی دینا ہے جسے صحیح کہا گیا، یہ وہ بات ہے جو انہوں نے رسالہ سے نقل کی،

اور دوسری صورت میں کوئی ایک ترجیح بلفظ افعل التفضیل ہوگی یا نہ ہوگی، بر تقدیر اول کہا گیا کہ اصح پر فتوی دیا جائے گا، یہ خیریہ سے منقول ہے، اور کہا گیا کہ صحیح پر فتوی ہوگا، یہ شرح منیہ سے منقول ہے، بر تقدیر دوم مفتی کو تخییر ہوگی یہ بحر کتاب الوقف اور رسالہ سے منقول ہے۔ یہ حلبی نے افادہ فرمایا۔" اھ

- تو تیسری صورت میں جو ذکر کیا بعینہ وہی ہماری مراد ہے، اسی طرح وہ بھی جو پہلی صورت میں ذکر کیا، رہا اس صورت کا استثنا جس میں تصحیح بصیغہ اسم تفضیل ہو۔
- فاقول (تو میں کہتا ہوں) وہ خود ان کے خلاف ہے ہمارے خلاف نہیں، کیوں کہ جب ترجیح صرف ایک طرف (اور افعل کے صیغے) سے ہو، جیسا کہ اسے رسالے کا محمل اور معنی مراد ٹھہرایا، اس کے باوجود مفتی کو تخییر ہو تو اس کے ذمہ اس کی پیروی لازم نہ رہی جسے مشائخ نے ترجیح دی۔

☆ "اصح، احوط، ارفق" یا اس کی مثل افعل التفضیل کے صیغوں کا درست محمل:

اور یہ تاویل کہ "افعل" کا مفاد یہ ہوگا کہ روایت خلاف بھی صحیح ہے، جیسا کہ حلبی و شامی اور طحطاوی نے کہا۔ فاقول (تو میں کہتا ہوں):

- اولاً یہ بات اس صورت میں تسلیم ہے جب اصح کے مقابلے میں صحیح لایا گیا ہو۔ لیکن جب دو قول ذکر کریں اور صرف ایک کے بارے میں کہیں کہ وہ اصح ہے اور دوسرے میں جو قوت ہے اس کے بیان سے کچھ بھی تعرض نہ کرے تو ایسی حالت میں یہ ہی سمجھا جائے گا کہ اول ہی راجح اور تائید یافتہ ہے۔ اور کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ گزرے گا کہ وہ اول کو اصح بتا کر، دونوں قولوں کو صحیح کہنا اور یہ بتانا چاہتے کہ اول کو دوسرے پر کچھ فضیلت ہے۔

  کیونکہ یہ أفعل، "أهل الجنة خير مستقرا وأحسن مقيلا"، [جنت والے بہتر قرار گاہ اور سب سے اچھی آرام گاہ والے ہیں،] کے باب سے ہوگا۔

- اگر کلمات مشائخ کی تفتیش کیجئے تو یہ ملے گا کہ وہ حضرات فرماتے ہیں: یہ احوط (زیادہ احتیاط والا) ہے، یہ ارفق (زیادہ نرمی و فائدے والا) ہے، باوجود یہ کہ دوسرے میں کوئی احتیاط اور کوئی آسانی نہیں، یہ ان حضرات کے کلام کے خدمت گزاروں کے نزدیک بدیہی ہے، اھ
- اسی لئے خیریہ کتاب الطلاق میں فرمایا، تمہیں خبر ہے کہ اس کے اصح ہونے کی تصریح ہو جانے کے بعد اس سے کسی اور کی جانب عدول نہ ہوگا، اھ اور اسی میں ہے: جب اصح ثابت ہوگا تو اس سے عدول نہ ہوگا۔
- یہی ان (علامہ شامی) کے متن عقود کا بھی مفاد ہے (اگرچہ اس کی شرح میں وہ اس بات کی طرف مائل ہو گئے جو یہاں زیر بحث ہے) کیوں کہ اس میں یہ لکھا ہے۔

وحيثما وجدت قولين وقد

صحح واحد فذاک المعتمد

بنحو ذاالفتوى عليه الا شبه

والاظهر المختار ذا والاوجه

ترجمہ: جہاں تم کو دو قول ملیں، جن میں ایک کی تصحیح اس طرح کے الفاظ سے ہو، اسی پر فتوی ہے، یہ اشبہ ہے، اظہر ہے، مختار ہے، اوجہ ہے، تو وہی معتمد ہے اھ۔

- تو معتمد ہونے کا حکم اسی پر محدود رکھا جس کی تصحیح میں لفظ افعل آیا ہے اور اس کے مخالف قول کی تصحیح نہیں ہوئی ہے۔

☆ بحث: تصحیح میں اختلاف ہونے کی صورت میں ایک قول کو اختیار کرنے میں چند قیودات کا لحاظ کیا جائے گا۔

بقول علامہ شامی: تخییر کچھ قیدوں سے مقید ہے۔

ان میں سے عظیم ترین قید یہ ہے کہ دونوں میں کوئی ایک، قول امام نہ ہو، اگر ایسا ہوا تو تخییر نہ ہوگی جیسا اسے ہم ابھی نقل کر آئے، اور علامہ شامی نے اپنی **شرح عقود** میں لکھا ہے کہ:

جب دونوں میں سے ایک، امام اعظم کا قول ہو اور دوسرا ان کے بعض اصحاب کا قول ہو تو کسی کی ترجیح نہ ہونے کے وقت قول امام کو مقدم رکھا جاتا ہے تو ایسے ہی اس کے بعد بھی ہوگا اھ،

[یعنی دونوں قولوں کی ترجیح کے بعد بھی ہوگا]۔ تو حاصل کلام یہی نکلا کہ اتباع قول امام ہی کا ہوگا مگر یہ کہ مرجحین اس کے خلاف کی ترجیح پر متفق ہوں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اگر کہا جائے کہ اس میں دس مرجّح اور بھی ذکر کئے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ تخییر کی نفی کی ہے:

(۱) تصحیح کا زیادہ موکد ہونا (۲) یا اس کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا (۳) اس کا شروح میں اور دوسرے کا فتاوی میں ہونا (۴) ان حضرات نے ایک کی تعلیل فرمائی دوسرے کی کوئی علت ودلیل نہ بتائی (۵) اس قول مرجح کا استحسان ہونا (۶) یا ظاہر الروایہ (۷) یا وقف کے لئے زیادہ نفع بخش (۸) یا قول اکثر (۹) یا اہل زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ اور موافق (۱۰) یا اوجہ ہونا۔

میں کہوں گا: کیوں نہیں، ہمیں ان سے انکار نہیں، بتائیں کیا یہ بھی کہا ہے کہ ان سب وجہوں سے ترجیح پانا قول امام ہونے کے سبب ترجیح پانے سے زیادہ موکد ہے؟ انہوں نے تو صرف یہ ذکر کیا ہے کہ جب تصحیح میں اختلاف ہو اور ایک تصحیح کے ساتھ ان دس میں سے کوئی ایک مرجح ہو تو وہ ترجیح پا جائے گی اور تخییر نہ ہوگی، اس صورت کا تو ذکر ہی نہ فرمایا جس میں ہر ایک تصحیح کے ساتھ ان میں سے کوئی ایک مرجح ہو۔

اور ابھی یہ مرجحات باقی رہ گئے:

اس کا (۱) احوط، یا (۲) ارفق، یا (۳) معمول بہ ہونا (علیہ العمل)

اور یہ اس کا متقاضِی ہے کہ ان ترجیحات کے باہمی تفاوت اور فرق مراتب پر کلام کیا جائے، اس کی چھان بین دشوار ہونے کے باعث شاید اسے ہاتھ نہ لگایا، تو ہم نے جو ذکر کیا اس کی کوئی مخالفت ان کے کلام میں نہیں۔

(اور میں کہتا ہوں) **مذہب امام ہونے کے باعث ترجیح پانا سب سے ارجح ہے** اس لئے کہ قاہر ظاہر باہر متواتر تصریحات موجود ہیں کہ فتوی مطلقا قول امام پر ہو گا۔

اور اگر تفصیل طلب کرو تو اس کے باعث ترجیح اس کے مقابل پائے جانے والے مذکورہ تقریباً سبھی مرجحات سے زیادہ راجح ملے گی۔ فاقول: تو اس کی تفصیل میں، میں کہتا ہوں

(۱) وہ قولِ (امام) جب ہو گا ظاہر الروایہ ہی ہو گا۔

(۲) اور یہ محال ہے کہ تمام متون قول امام کی مخالفت پر گام زن ہوں جب کہ ان کی وضع امام ہی کا مذہب نقل کرنے کے لئے ہوئی ہے۔

(۳۔۴) اسی طرح ہر گز کبھی ایسا نہ ملے گا کہ متون قول امام سے ساکت ہوں اور شروح نے اس کی مخالفت پر اجماع کر لیا ہو، صرف فتاوی نے اسے ذکر کیا ہو۔

(۵) اور وقف کے لئے انفع ہونا عظیم اہم مصالح میں شامل ہے اور یہ اسباب ستہ میں سے ایک ہے۔

(۶) اسی طرح اہل زمان کے زیادہ موافق ہونا۔

(۷) اور اسی پر عمل ہونا۔

(۸) یوں ہی ارفق اور زیادہ آسان ہونا جب کہ دفع حرج کا مقام ہو۔

(۹)اور احوط بھی، جب کہ اس کے خلاف کوئی مفسدہ اور خرابی ہو۔

(۱۰)اور استحسان بھی جب کہ ضرورت یاتعامل جیسی چیز کے باعث ہو، لیکن استحسان اگر دلیل کے باعث ہو تو وہ اہل نظر سے خاص ہے۔

(۱۱۔۱۲)یوں ہی اس کا اَوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا اہل نظر کا حصہ ہے جیسا کہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

[اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ مقلد اپنے امام کا قول کسی دوسرے کے قول کی وجہ سے ترک نہ کرے گا، اگر دوسرا قول میری نظر میں دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو میری نظر کو امام کی نظر سے کیا نسبت؟ اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر اس دوسرے کے قول کا اتباع وہی کرے گا جو یہ مانتا ہے کہ امام کے مقلدین اور ان کے مذہب کے مجتہدین میں سے کوئی فرد دلیلِ صحیح کی ان سے زیادہ بصیرت رکھتا ہے۔]

نوٹ: ہر وہ قیاس جس کے قائل امام ہیں، اور جس کے مقابل دوسرے قول کو، **ضرورت وتعامل جیسے امور کے ماسوا میں**، استحسان کہا گیا ہو۔ اس قیاس کو[کسی وجہ سے] استحسان پر مقدم کرتے ہیں۔ مزید انہوں نے یہ افادہ کیا کہ: ما علیہ الفتوی (جس قول پر فتوی ہوتا ہے) وہ استحسان پر مقدم ہوتا ہے۔

(۱۳)یوں ہی بدیہی وضروری طور پر ما علیہ الفتوی اس قول سے بھی مقدم ہوگا جس کی تعلیل ہوئی ہو، اس لئے کہ تعلیل ترجیح کی صرف ایک علامت ہے اور فتوی سب سے عظیم ترجیح صریح ہے۔

(۱۴)(۱۴۔۱۶)یوں ہی اوجہ، ارفق اور احوط پر بھی اس[ما علیہ الفتوی]کے مقدم ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اب تصحیح کے زیادہ موکد ہونے اور قائلین کی تعداد زیادہ ہونے کے سوا مذکورہ مرجحات سے کوئی مرجح باقی نہ رہا، اسی لئے سابق میں ہم نے صرف ان ہی دونوں کے ذکر پر اکتفا کی۔

(ذیل میں اس بات کا بیان ہے کہ ان دو صورتوں میں بھی قولِ امام پر افتاء ہوگا۔)

☆ترجیح کی کثرت، امام کے قول کے غیر پر ہو تو؟

اب بتایئے قائلین کی اکثریت کہیں اس سے زیادہ ہوگی جو وقت عصر اور وقت عشاء کے مسئلوں میں امام کے مقابل موجود ہے؟ یہاں تک کہ لوگوں نے قول امام کے برخلاف تعامل بلکہ عشا میں عامہ صحابہ کا عمل ہونے کا بھی دعوی کیا پھر بھی یہ اکثریت، خصوصا عصر میں، قول امام پر اعتماد سے مانع نہ ہو سکی، اور آپ (علامہ شامی) ہی نے بحر سے یہ نقل کیا اور برقرار رکھا کہ قول امام سے بجز ضرورت کے عدول نہ ہوگا اگرچہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہو کہ فتوی قول صاحبین پر ہے، جیسے یہاں ہے اھ۔

☆الفاظِ تصحیح-امام کے قول کے غیر پر زیادہ موکد ہو تو؟

اور لفظ تصحیح کے زیادہ موکد ہونے سے متعلق جواب کے لئے بھی یہی کافی ہے اور اس بارے میں علامہ شامی کی صریح عبارتیں ذکر نقول کے تحت کتاب النکاح اور کتاب الهبہ سے ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں، اور انہوں نے رد المحتار میں بہت سے مقامات پر فتوی کے مقابلہ میں متون کو پیش کیا ہے اور متون میں جو مذکور ہے اسے ماعلیہ الفتوی (اور قول جس پر فتوی ہے) پر مقدم قرار دیا ہے، اور یہ اسی لئے کہ متون صاحب مذہب رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب نقل کرنے کے لئے وضع ہوئے ہیں۔

ان میں سے چند مقامات کی نشان دہی:

(۱) کنویں میں کوئی جانور مرا ہوا دیکھا گیا اور گرنے کا وقت معلوم نہیں تو اگر پھولا پھٹا نہیں ہے تو ایک دن اور پھولا پھٹا ہے تو تین دن سے پانی نجس مانا جائے گا وضو اور غسل کے حق میں اور دوسری چیزوں سے متعلق جب سے دیکھا گیا اس وقت سے یعنی اب سے نجس مانا جائے گا پہلے سے نہیں۔

اسی پر صباغی نے فتوی دیا، محیط اور تبیین میں اسی کو صحیح کہا البحر الرائق اور منح الغفار میں اسی پر اعتماد کیا تو آپ نے فرمایا، یہ تمام متون کے اطلاق کے برخلاف ہے (یہاں تک کہ فرمایا) تو اس پر اعتماد نہ ہوگا اگرچہ بحر اور منح میں اسے برقرار رکھا۔

(۲) کوئی صدقہ ایک شخص معین پر وقف کیا تو یہ وقف اس شخص کی موت کے بعد واقف کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا، اجناس میں پھر فتح القدیر میں کہا بہ یفتی (اسی پر فتوی دیا جاتا ہے آپ نے فرمایا یہ خلاف معتمد ہے کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر محققین مشائخ نے نص فرمایا اور اس کے بھی جو متون میں مذکور ہے، وہ یہ کہ موقوف علیہ کی موت کے بعد وہ فقراء پر لوٹ آئے گا۔)

(۳) امام جلیلین طحطاوی و کرخی نے اختیار فرمایا کہ نشہ والے کی طلاق بے کار ہے، اور تفرید پھر تاتار خانیہ پھر در مختار میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے آپ نے حلبی کی طرح فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ سارے متون کے خلاف ہے۔

(۴) امام محمد نے فرمایا، جب کوئی عصبہ نہ ہو تو نکاح کی ولایت حاکم کو حاصل ہوگی، ماں کو نہیں مضمرات میں لکھا، اسی پر فتوی ہے آپ نے بحر و نہر کی طرح فرمایا، یہ غریب ہے کیوں کہ بیان فتوی کے لئے وضع شدہ متون کے بر خلاف ہے،

(۵) امام محمد نے فرمایا، دین داری میں کفاءت کا اعتبار نہیں فتح القدیر میں محیط کے حوالے سے لکھا، اسی پر فتوی ہے اور مبسوط میں اسی کو صحیح کہا آپ نے بحر کی طرف فرمایا، ہدایہ کی تصحیح اس کے معارض ہے تو اسی پر افتا اولی ہے جو متون میں مذکور ہے۔

(۶) شوہر نے بیوی سے کہا، اختیار کر، اختیار کر، اختیار کر، تو بیوی نے کہا میں نے پہلی یا درمیانی یا آخری اختیار کی، امام صاحب کے نزدیک اس پر تین طلاقیں پڑ گئیں، اور صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا، در مختار میں ہے اور اسے شیخ علی مقدسی نے برقرار رکھا، اور حاوی قدسی میں ہے، وبہ ناخذ ہم اسی کو لیتے ہیں تو یہ افادہ کیا کہ قول صاحبین ہی مفتی بہ ہے شرف غزی کی قلمی تحریر میں اسی طرح ہے آپ نے فرمایا، قول امام پر متون گام زن ہیں، اور ہدایہ میں اسی کی دلیل موخر رکھی ہے تو وہی معتمد ہوا۔

(۷) تقسیم کا ایسے شخص نے مطالبہ کیا جو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیوں کہ اس کا حصہ بہت کم ہوگا شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا، تقسیم کر دی جائے، خانیہ میں کہا اسی پر فتوی ہے اس پر در مختار میں فرمایا، لیکن متون اول پر ہیں تو اسی پر اعتماد ہے اور اسے آپ نے اور طحطاوی نے برقرار رکھا، باوجودیکہ آپ نے بارہا فرمایا ان میں سے ایک موقع رد المختار کتاب الہبہ کا بھی ہے کہ اسے یاد رکھنا جو علماء نے فرمایا ہے کہ امام قاضی خاں کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔ اھ

اس تفصیل سے بحمدہ تعالی روشن ہو گیا کہ:

کسی قول کے قول امام ہونے کے باعث ترجیح پانے کے مقابل کوئی چیز نہیں اور جب اختلاف ترجیح کی صورت میں دو قولوں میں سے ایک قول امام ہو تو اسی پر اعتماد ہے اسی طرح اس وقت بھی جب کوئی ترجیح ہی موجود نہ ہو، پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب سب اسی کی ترجیح پر متفق ہوں تو اب کوئی صورت باقی نہ رہی سوا اس کے جس میں دوسرے کی ترجیح پر سب متفق ہوں۔ (اور ایسا صرف أسبابِ ستہ کی وجہ سے ہوگا اور اسکے علاوہ نہ کبھی ہوا نہ ہوگا۔ ابو اللیث ط)

تطبیق و توجیہ کے بعد: ہمارے اور علامہ شامی کے درمیان حاصل حکم کے لحاظ سے اتفاق اور طریقِ حکم کا فرق:

تو اگر علامہ شامی کا کلام اس پر محمول کر لیا جائے جو ہم نے بیان کیا تو اس صورت میں وہ بلا شبہ حاصل حکم کے لحاظ سے صحیح ہو گا کیونکہ ہم بھی اس پر ان کی موافقت کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہم اسی کو لیں گے جس کی ترجیح پر مشائخ کا اتفاق ہے البتہ ہمارے اور ان کے درمیان طریقِ حکم کا فرق رہ جاتا ہے،

- انہوں نے اس حکم کو اتباع مرجحین کی بنیاد پر اختیار کیا ہے
- اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا اسباب ستہ میں سے کسی ایک کے پائے جانے ہی کے موقع پر ہو گا،

تو یہی امام کا قول ضروری ہو گا اگرچہ وہ ان کے قول صوری کے بر خلاف ہو بلکہ ہمارے نزدیک یہاں بعض صورتوں میں تقلید مشائخ کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ان کا بیان آرہا ہے۔

پھر بلا شبہ ایسے وقت میں اس کی بھی پابندی نہیں کہ وہ دوسرا قول، صاحبین ہی میں سے کسی کا ہو بلکہ مدار حوادث پر ہو گا وہ جہاں دائر ہوں اگرچہ تینوں ائمہ کے بر خلاف مثلاً امام زفر ہی کا قول ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ اور وہ جو علامہ شامی نے ذکر کیا کہ مشائخ نے دلیل کی جانچ کر رکھی ہے اور باقی کلام، یہ سب اس طریق سے پیدا شدہ ہے جسے انہوں نے اپنایا۔ **اور اب ان کے اور بحر کے درمیان صرف لفظی اختلاف رہ جائے گا۔ کیونکہ بحر بھی ایسی صورت میں امام کے قول صوری سے ان کے قول ضروری کی جانب عدول کے منکر نہیں۔** منکر کیسے ہوں گے ایسا تو انہوں نے خود کیا ہے۔ اور اتفاق، اختلاف سے بہتر ہے۔

کلامِ بحر: "یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافه" کے اطلاق کا صحیح محمل:

بحر کی اس عبارت: "ہم پر یہی لازم ہے کہ قول امام پر فتوٰی دیں اگرچہ مشائخ اس کے برخلاف فتوی دے چکے ہوں۔" بظاہر اس صورت کو بھی شامل ہے جس میں غیر امام کے قول کی ترجیح پر اجماع مشائخ ہو۔ (لیکن اس کا درست محل یہ ہے جو اعلیٰ حضرت نے آگے بیان کیا)

اقول: کلام بحر کا محل وہ صورت ہے جس میں ائمہ ترجیح سے (صاحبین کے ساتھ ساتھ) جانب امام بھی ترجیح پائی جاتی ہو جیسے عصر وعشاء کے مسئلوں میں ہے اگرچہ موکد ترین لفظ ترجیح صاحبین کی جانب ہو۔ بحر کی مراد یہ نہیں کہ مشائخ قول صاحبین کی ترجیح پر اجماع کرلیں تو بھی اس کا اعتبار نہیں اور ہم پر قول امام ہی پر فتوی دینا واجب ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص جسے فقہ سے کچھ مس ہے ایسی بات نہیں کہہ سکتا تو یہ علامہ بحر اس کے قائل کیسے ہوں گے؟

اور ہرگز کبھی غیر امام کے قول کی ترجیح پر ائمہ ترجیح کا اجماع نظر نہ آئے گا مگر ایسی صورت میں جہاں اختلاف زمانہ کی وجہ سے مصلحت تبدیل ہوگئی ہو۔ اور ایسی صورت میں ہمارے لئے مشائخ کے خلاف جانا روا نہیں (کیوں کہ یہ بعینہ امام کے مخالف ہوگی جیسا کہ معلوم ہوا)۔

لیکن جب ترجیح مختلف ہو تو قول امام کا اس وجہ سے رجحان کہ وہ قول امام ہے زیادہ راجح ہوگا اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کے قول کا، لفظ افتاء کی ارجحیت (یا اس کی ترجیح کی طرف مائل ہونے والوں کی اکثریت) کے باعث رجحان اس سے فروتر ہوگا۔ یہی علامہ صاحب بحر کی مراد ہے اور اسی سے علامہ رملی وعلامہ شامی کا اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ اھ

تو اس توضیح و تاویل سے تمام کلمات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور مختلف باتیں باہم متفق ہو جاتی ہیں۔ اور تمام تر ستائش خدا کے لئے جو مخلوقات کا رب ہے۔ اور بہتر درود، کامل ترین تسلیمات ساری کائنات کے امام اعظم اور خیرات، سعادات، برکات والے ان کے آل، اصحاب، فرزند اور جماعت پر، ہر گزشتہ وآئندہ کی تعداد میں۔ الٰہی! قبول فرما۔ اور تمام تعریف خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور پاکی وبرتری والے خدا کو ہی خوب علم ہے۔

آخر میں دو تنبیہات:۔(تنبیھان جلیلان یتبین بھما ما یعمل بہ المقلد فی امثال المقام)

تنبیہ اوّل: اقول: چھ اسباب میں سے کسی ایک کا محل ہونا اگر واضح غیر مشتبہ ہو تو اسی پر عمل ہوگا اور ماسوا پر نظر نہ ہوگی **یہ لمی طریقہ ہے**۔

اور اگر معاملہ مشتبہ ہو تو ہم ائمہ ترجیح کی جانب رجوع کریں گے۔ اگر قول امام کے بر خلاف انہیں اجماع کئے دیکھیں تو یقین کرلیں گے کہ یہ بھی اسباب ستہ میں سے کسی ایک کا موقع ہے **یہ انّی طریقہ ہے**۔

اور اگر انہیں ترجیح کے بارے میں مختلف پائیں یا یہ دیکھیں کہ انہوں نے کسی کو ترجیح نہ دی تو ہم قول امام پر عمل کریں گے اور اس کے ماسوا قول و ترجیح کو ترک کردیں گے۔

کیوں کہ ان کا اختلاف یا تو اس لئے ہوگا:

۱۔ کہ وہ اسباب ستہ کا موقع نہیں۔ (جب تو قول امام سے عدول ہی نہیں)۔

۲۔ یا اس لئے ہوگا کہ اسباب ستہ کا محل ہونے میں وہ باہم مختلف ہوگئے۔ تو قول ضروری شک سے ثابت نہ ہوپائے گا۔ اس لئے امام کا قول صوری جو یقین سے ثابت ہے ترک نہ کیا جائے گا۔

أسبابِ ستہ کا محل جاننے کے لئے مشائخ کی دلیل میں نظر:

لیکن جب ہم پر اسباب ستہ کا محل ہونا ان حضرات کی بیان کردہ دلیلوں میں نظر کرنے سے واضح ہوجائے، یا قول امام سے عدول کرنے والے حضرات نے اسی محلیت پر بنائے کار رکھی ہو اور وہی تعداد میں زیادہ بھی ہوں تو ہم ان کی پیروی کریں گے اور انہیں متہم نہ کریں گے۔ لیکن جب انہوں نے بنائے کار محلیت پر نہ رکھی ہو، بس دلیل کے گرد ان کی گردش ہو تو قول امام پر ہی اعتماد ہے۔

یہ وہ طریق عمل ہے جو مجھ پر منکشف ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالی درست ہوگا، واللہ تعالی اعلم

تنبیہ دوم: اقول: یہ سب (جو اوپر رسالہ میں اختلافِ امام سے متعلق بیان ہوا) اس وقت ہے جب وہ (مرجحین) واقعی امام کے خلاف گئے ہوں لیکن جب وہ کسی اجمال کی تفصیل یا کسی اشکال کی توضیح، یا کسی اطلاق کی تقیید کریں جیسے متون میں شارحین کا عمل ہوتا ہے۔ اور وہ ان سب میں قول امام ہی پر گام زن ہوں تو وہ امام کی مراد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اب اگر وہ باہم متفق ہوں تو قطعا اسی پر عمل ہوگا ورنہ ترجیح کے قواعد معلومہ کے تحت ترجیح دی جائے گی۔

ہم نے یہ قید لگائی کہ "وہ ان سب میں قول امام ہی پر گام زن ہوں" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہوتی ہیں، مثلا امام کسی مسئلے میں اطلاق کے قائل ہیں اور صاحبین تقیید کے قائل ہیں، اب مرجحین اگر اختلاف کا اثبات کریں اور صاحبین کا قول اختیار کریں تو یہ مخالفت ہے اور اگر اختلاف کا انکار کریں اور یہ بتائیں کہ امام کی مراد بھی تقیید ہی ہے تو یہ شرح ہے واللہ تعالی اعلم۔

ولیکن ھذا اٰخر الکلام، وافضل الصلاۃ والسلام، علی اکرم الکرام، واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ الی یوم القیام، والحمد للہ ذی الجلال والاکرام-

یہی خاتمہ کلام ہونا چاہئے اور بہتر درود وسلام کریموں میں سب سے کریم تر سرکار پر اور ان کی آل، اصحاب، فرزند اور جماعت پر تا روز قیام۔ اور ہر ستائش بزرگی واکرام والے خدا کے لئے ہے۔

تمت تلخیص اَجلی الاِعلام

۲۴/ اپریل ۲۰۲۰ء بمطابق ۳۰ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ

کراچی